قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

تیئیسواں وعظ مسمّٰی بہ

الرفع والوضع

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ و کعبہ مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب حاجی عبد الرحمٰن صاحب زمیندار رنگون ملک برہما

ماہ شوال ۱۳۴۲ ہجری میں

احقر شبیر علی عفی عنہ

باہتمام مالک اشرف المطابع تھانہ بھون

ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمی بہ

الرفع والوضع

این	کہاں ہوا	مسجد خانقاہ امدادیہ۔ تھانہ بھون
متی	کب ہوا	۹ رجب ۱۳۴۲ھ بعد نماز جمعہ
کم	کتنی دیر ہوا	۲ گھنٹہ ۴۰ منٹ
کیف	کیونکر ہوا	بیٹھکر ....
لم	کیوں ہوا	اہل خانقاہ کی درخواست پر کیونکہ عرصہ سے تھانہ بھون میں بیان نہ ہوا تھا۔
ماذا	کیا مضمون تھا	ہمکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر فعل وحال سے سبق لینا چاہئے۔ پھر یہ بتلایا کہ حضور کے واقعہ معراج سے امت کو کیا نفع ہوا
من [illegible]	[illegible]	بیعت کرنیوالوں کو خصوصاً اور سالکین کو عموماً
من ضبط	کس نے ضبط کیا	احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
من المستمعون	سامعین کی تعداد [illegible]	... تقریباً
الاستشتات	متفرقات	حضرت مدظلہم اس وقت قریب ہی سفر راندیر سے تشریف لائے تھے اثنائے سفر میں کچھ کالم [?] وبخار کی شکایت ہو گئی تھی جو بیان کے وقت بھی کسیقدر موجود تھی مگر مخلصین کی درخواست پر بیان کا ارادہ فرما لیا اور بحمد اللہ ایسا ہی بیان ہوا جیسا کہ تندرستی میں ہوا کرتا ہے بلکہ اس وعظ میں بہت سے عجیب عجیب مضامین بیان ہوئے جن کی قدر دیکھنے سے معلوم ہوگی ربنا [illegible]

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰
یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ و
سراجا منیرا ۰ یہ ایک آیت ہے جس میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول کریم (علیہ افضل الصلوٰۃ
والتسلیم) کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں جن میں سے اس وقت مقصود بالبیان اخیر کی
صفت ہے اور اسی سے مجکو وہ مضمون مستنبط کرنا ہے جس کے بیان کا اسوقت ارادہ ہے اور
وہ صفت سراجا منیرا ہے وجہ بیان کی یہ ہے کہ بعض حضرات نے خلوص کے ساتھ بیان
کی درخواست کی تھی کیونکہ عرصہ سے یہاں پر بیان نہوا تھا۔ گو ابھی تک سفر کا تکان نہ اُترا تھا
رات بھی سر میں درد تھا اور اب بھی موجود ہے اور بیان کے لئے جس انشراح کی ضرورت
ہوتی ہے اُس کے لئے یہ مانع کافی تھا مگر درخواست خلوص سے تھی اس لئے انکار کو جی نہ
چاہا یہ خیال ہوا کہ اس درخواست کو پورا ہی کر دوں گو مختصر ہی بیان ہو۔ مگر تکان کی وجہ سے
پختہ وعدہ بھی نہ کیا تھا یہ کہدیا تھا کہ وقت پر جیسی رائے ہوگی اطلاع کر دونگا۔ پھر میں نے
سوچا کہ اگر بیان کروں تو کیا بیان کروں بڑی دیر تک کوئی مضمون ذہن میں نہ آیا اور
یہ عادت نہیں کہ کیفما اتفق کوئی سا مضمون بیان کر دیا جائے بلکہ ہمیشہ یہ خیال
رہتا ہے کہ ضرورت اور وقت کے مناسب مضمون بیان کیا جائے جب وقت کے وقت
بھی کوئی مضمون خاص ذہن میں نہ آیا تو ایک مانع یہ موجود ہو گیا مگر دفعۃً نماز میں ایک مضمون
کی طرف ذہن منتقل ہوا وہ یہ کہ یہ مہینہ رجب کا ہے جس میں باتفاق مؤرخین و اہل سیر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص کمال ظاہر ہوا ہے یعنی معراج پھر اس طرف
ذہن منتقل ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات متعدی ہیں لازمی نہیں ہیں یعنی
حضور کے کمالات سے صرف آپ ہی کو نفع نہیں ہوا بلکہ آپ کے ہر کمال سے
دوسروں کو بھی نفع ہوا ہے اسلئے واقعۂ معراج میں بھی حضور کا جو کمال ظاہر ہوا ہے
وہ بھی متعدی ہونا چاہئے لازمی نہونا چاہئے۔

اس کے بعد عنوان بیان متعین ہو گیا کہ آج یہ مضمون بیان کیا جائے کہ واقعۂ معراج سے
حضور کا کمال تو ظاہر ہوا ہی اُمت کو بھی اس سے نفع پہونچا ہے اور آپکا یہ کمال بھی

ف: تمہید

ف: وجہ بیان

ف: مضمون کی اجمالی تعیین

ف: مضمون [illegible] واقعہ معراج سے [illegible]

ف: مضمون [illegible]

دوسرے کمالات کی طرح متعدی ہی لازمی نہیں۔ اسیطرح پر یہ مضمون ہماری ضرورت کا ہوگیا گو ہمارے واسطے حضور کے کمالات کا مطلقاً بیان بھی سبب سعادت ہی خواہ اُن کے تعدیہ پر نظر ہو یا نہو مگر الاہم فالاہم کے قاعدہ سے چونکہ ابھی ہم اپنی اصلاح سے فارغ نہیں ہوئے ہمکو حضور کے کمالات میں بھی یہ نظر رکھنا چاہئے کہ ہمکو اس سے کیا نفع واصل ہوا حضور کے کمالات کو محض اس نظر سے نہ دیکھنا چاہئے کہ یہ آپ کا خاص واقعہ ہے بلکہ سبب سے سبق لینا چاہئے اس کی شہادت قرآن سے ملتی ہی حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ ہم نے کسی رسول کو بھی نہیں بھیجا مگر اسیواسطے کہ خدا کے اذن سے اُس کی اطاعت کیجائے حالانکہ رسول کے لئے رسالت بہت بڑا کمال ہے مگر حق تعالیٰ نے لیطاع میں ہمکو متنبہ فرما دیا ہے کہ تم رسالت پر محض اس حیثیت سے نظر نہ کرو کہ وہ رسول کا ایک کمال ہے بلکہ تم اپنے فائدہ پر بھی نظر رکھو کہ رسالت ایسا کمال ہے جسکی اطاعت وموافقت سے مخلوق خالق کے نزدیک مقبول ومقرب ہو جاتی ہی دوسرے مقام پر ارشاد ہے ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یتلو علیہم آیاتک ویعلمہم الکتاب والحکمۃ ویزکیہم یعنی حضرت ابراہیم واسمعیل علیہما السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار ہماری اولاد میں ایسا رسول مبعوث فرمائیے جو ان پر آپ کی آیات کی تلاوت کرے اور اُنکو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے، یہ آیت خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں ہی کیونکہ یہ دعا ایسے نبی کے حق میں ہی جو دونوں حضرات کی اولاد میں ہوں اور ایسا رسول جو ابراہیم علیہ السلام واسمعیل علیہ السلام دونوں کی اولاد ہو بجز حضور کے کوئی نہیں پس ثابت ہوا کہ اس دعا کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور اس میں حضور کے جن کمالات کا بیان ہی اُنکے متعدی ہونے کا بھی ساتھ ساتھ بیان ہی کہ وہ ایسے رسول ہوں جو محض کمال رسالت ہی سے متصف نہ ہوں بلکہ اُن کا یہ کمال متعدی بھی ہو کہ مخلوق کو اُن سے فیض پہونچے اس میں خاص حضور کے کمالات کے متعلق دو پیغمبروں کے صیغۂ دعا میں اسپر تنبیہ کردی گئی کہ لوگوں کو حضور کے کمالات میں اپنے فائدہ پر بھی نظر رکھنی چاہئے ایک مقام پر حق تعالیٰ نے

قرآن سے اس کی شہادت

حضور کے کمالات محض [illegible] بلکہ ان کو [illegible] فیض پہونچانا بھی

حضور کی بعثت سے ہمارے اوپر امتنان فرمایا ہے تو وہاں بھی اُس کے متعدی ہونیکا بیان فرمایا ہی لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ الآیہ۔

غرض اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں میرے اس دعوی کی دلیل موجود ہے کہ ہمکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کمال سے سبق لینا چاہئے اور اُنپر اس جہت سے نظر کرنی چاہیئے کہ ہمکو اس کمال سے کیا فائدہ ہوا جنمیں سے حضور کا ایک بڑا کمال معراج بھی ہی تو اس سے بھی ہمکو سبق لینا چاہئے۔ اب اس اعتبار خاص سے اس مضمون کو رجب کے مہینے سے کوئی خاص خصوصیت بھی نہیں ہی کیونکہ میں واقعہ معراج بیان نکرونگا بلکہ یہ بتلاؤنگا کہ اُمت کو اس واقعہ سے کیا فیض پہونچا اور ظاہر ہے کہ اس ماہ سے واقعہ کو تو کچھ خصوصیت ہے بھی مگر جو فیض امت کو اس واقعہ سے پہونچا ہے وہ اس مہینہ کے ساتھہ خاص نہیں اس لئے یہ احتمال بھی نہ رہیگا کہ میں اس ماہ کی خصوصیت کی وجہ سے یہ مضمون بیان کر رہا ہوں جیسا اس مہینہ میں بعض لوگ رجبی کرتے ہیں مگر وہ صرف قصہ معراج بیان کر دیتے ہیں یہ کوئی نہیں بیان کرتا کہ اُمت کو اس سے کیا نفع ہوا گو نفس واقعہ کا بیان بھی باعث برکت ہی بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو جس میں تخصیص والتزام بھی داخل ہے (والحال خلافہ)

اب میں وہ مضمون بیان کرتا ہوں کہ امت کو واقعۂ معراج سے کیا نفع حاصل ہوا جسکے لئے میں نے یہ آیت تلاوت کی ہی جس میں میرے ذوق میں سراجا منیرا سے اوس مضمون کو مناسبت ہی گو اسپر استدلال موقوف نہیں اوسپر دوسرے مستقل دلائل ہیں مگر مناسبت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ فرمایا گیا ہی اور یہ بطور تشبیہ کے ہے جیسے زید اسد کہا جاتا ہی بوجہ شجاعت کے اسیطرح حضور کو ایک خاص صفت میں چراغ سے تشبیہ دی گئی ہی اور یہ بات یاد رکھنے کی ہی کہ تشبیہ میں مشبہ کا مشبہ بہ سے اقوی واکمل ہونا لازم نہیں البتہ اوضح واشہر ہونا ضرور ہی اس لئے حضور کو چراغ سے تشبیہ دینے میں بھی یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ نعوذ باللہ اس صفت میں چراغ آپ سے افضل ہے بلکہ اس کا مبنی بھی وہی ہی کہ چراغ اس صفت میں بوجہ محسوس ہونے کے مشہور ہے

اور یہاں سے یہ اشکال بھی مرتفع ہوگیا جو بہت لوگوں کو صیغۂ صلوۃ اللہم صل علی
محمد و علی محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم میں پیش آیا کرتا
ہے اس میں حضور پر صلوۃ کو ابراہیم علیہ السلام کے صلوۃ سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے
ابراہیم علیہ السلام کی صلوۃ کی افضلیت لازم آتی ہے اس اشکال کا منشا یہ ہے کہ تشبیہ کے لئے
مشبہ بہ کا افضل ہونا لازم سمجھا جاتا ہے مگر یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے تشبیہ کے لئے افضلیت
مشبہ بہ کا لزوم ہی غلط ہے بلکہ اس کے لئے محض مشبہ بہ کا اشہر واوضح ہونا لازم ہے
افضل ہونا لازم نہیں تتبع موارد استعمال سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے
ایک مقام پر خود اپنے نور کو نور مصباح سے تشبیہ دی ہے حالانکہ یہاں مشبہ بہ کی افضلیت
کا وہم بھی نہیں ہو سکتا فرماتے ہیں۔ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ
فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد
من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٔ ولو لم
تمسسہ نار نور علی نور گو یہاں نور مصباح کی بہت کچھ تقویت کی گئی ہے کہ چراغ
شیشہ کے (گلاس کے) اندر ہے اور وہ ایسا چمکدار ہے جیسے روشن ستارہ اور اس
چراغ میں تیل بھی زیتون کا ہے اتنا عمدہ کہ آگ لگنے سے پہلے ہی بھڑکنا چاہتا ہے
لیکن گو وہ کتنا ہی قوی ہو حق تعالیٰ کے نور سے اس کو کیا نسبت اس سے ثابت ہوگیا
کہ مشبہ بہ کے لئے مشبہ سے افضل ہونا ضرور نہیں گو اتفاق سے زید اسد میں اسد زید
سے زیادہ ہی بہادر ہو اور واقعی اس جانور کو خدا تعالیٰ نے قوت و شجاعت بہت
بادہ دی ہے اور عجب نہیں ایسی ہی جزئیات سے لوگوں کو یہ غلطی واقع ہوگئی ہو کہ
مشبہ بہ کو مشبہ سے افضل ہونا چاہئے مگر حقیقت میں یہ لازم نہیں ورنہ نور مصباح کو
نور خداوندی سے افضل کہنا پڑیگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ
تحقیق یہ ہے کہ مشبہ بہ کا صرف اشہر واوضح ہونا ضرور ہے افضلیت ضروری نہیں چونکہ
حق تعالیٰ غائب از نظر ہیں کوئی شخص ان آنکھوں سے دنیا میں اسکو نہیں دیکھ سکتا اسلئے
خدا کا نور اشہر نہیں اور نور مصباح اشہر ہے اس وجہ سے اسکو نور مصباح سے تشبیہ دیدی

گئی ہے اور خدا کے نور کی تو بڑی شان ہے لوگ کسی عالم کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ حضرت تو روشن چراغ ہیں اس میں بھی اُنکو یہ وہم نہیں ہوتا کہ چراغ نور میں ان سے افضل ہے مگر چونکہ چراغ کوئی بھی خالی از نور نہیں دیکھا گیا اس لئے اس کا نور اشہر ہے اور بشر بعض ظلمانی ہیں بعض نورانی اس لئے اُس کا منور ہونا محتاج دلیل ہے تو اُسکا منور ہونا اشہر نہیں اس تفصیل سے یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ مشبہ بہ کے لئے مشبہ سے افضل ہونا لازم نہیں صرف اشہر و اوضح ہونا ضروری ہے پس حضور کو سراج منیر فرمانے سے افضلیت سراج کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ الغرض اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشبیہاً روشن چراغ فرمایا گیا ہے تو بنا بر اصول تشبیہ جو خاص وصف چراغ میں ہے وہ آپ میں ہونا لازم ہے اور اسی سے یہ شبہ بھی دفع ہو جاویگا کہ آفتاب یا ماہتاب سے حضور کو کیوں نہ تشبیہ دی گئی حالانکہ آفتاب تمام منیرات میں روشن تر ہے اُس کے سامنے نہ چاند کی کوئی حقیقت ہے نہ چراغ کی اور اگر یہ کہا جائے کہ آفتاب کی روشنی میں حرارت اور تیزی زیادہ ہے جس کی وجہ سے کوئی اُسپر نگاہ نہیں جما سکتا اس لئے اس سے تشبیہ نہیں دی گئی تو پھر چاند سے تشبیہ دیدی جاتی چراغ سے تو وہ بدرجہا زیادہ ہے وجہ دفع یہ ہے کہ چراغ میں ایک خاص صفت ایسی ہے جو نہ آفتاب میں ہے نہ ماہتاب میں اسلئے حضور کو چراغ روشن فرمایا گیا بات یہ ہے کہ چراغ میں تین صفتیں ہیں۔ ایک اُسکا خود روشن ہونا دوسرے اپنے غیر کو روشنی دینا کہ چراغ کی وجہ سے دوسری چیزیں ظلمت سے نور میں آجاتی ہیں ان دو صفتوں میں تو چراغ اور آفتاب و ماہتاب سب شریک ہیں اور یہ دو وصف آفتاب و ماہتاب میں بیشک چراغ سے زیادہ ہیں تیسری صفت چراغ میں یہ ہے کہ اُس سے دوسرا چراغ اُسی کے مثل روشن ہو سکتا ہے چنانچہ ایک چراغ سے سیکڑوں چراغ روشن کر لئے جاتے ہیں یہ صفت خاص چراغ ہی میں ایسی ہے کہ آفتاب و ماہتاب میں نہیں ہے کیونکہ آفتاب سے دوسرا آفتاب اور ماہتاب سے دوسرا ماہتاب روشن نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ آفتاب و ماہتاب دوسرے

فــ حضور کو آفتاب و ماہتاب سے تشبیہ نہ دینے کی وجہ

چیزوں کو منوَّر (باسم المفعول) تو کر دیتے ہیں مگر منوِّر (باسم الفاعل) نہیں کرتی اور چراغ دوسری اشیاء کو منوَّر بھی کرتا ہے اور منوِّر بھی کر دیتا ہے۔ اسی لئے حضور کو آفتاب و ماہتاب سے تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ چراغ روشن فرمایا گیا تو چراغ کی طرح آپ میں بھی علاوہ خود نورانی ہونے کے دو صفتیں ہوئیں ایک تو یہ کہ آپ دوسرے کو منور کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ بعضوں کو منوِّر بنانے والے ہیں۔ پہلا کمال آپکا اُمت میں ظاہر ہوا اور دوسرا کمال انبیاء علیہم السلام میں ظاہر ہوا۔ کیونکہ انبیا علیہم السلام آپ سے فیض حاصل کر کے بمنزلہ مستقل چراغ کے ہو گئے جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کر لیا جاوے تو وہ بجائے خود مستقل منوِّر ہو جاتا ہے یہی شان انبیاء علیہم السلام کی ہے امت کی یہ حالت نہیں کیونکہ اُمتی کے اندر جو نور آپ کے واسطے سے آتا ہے وہ اوس میں مستقل نہیں۔

پس آپ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے لئے بمنزلہ واسطہ فی الثبوت کے ہیں کہ ذی واسطہ بھی اوس کمال کے ساتھ موصوف حقیقۃً ہو جاتا ہے اور واقع میں وہاں دو صفتیں ہوتی ہیں ایک واسطہ کی ایک ذی واسطہ کی اور امتیوں کے لئے بمنزلہ واسطہ فی العروض کے ہیں کہ ذی واسطہ حقیقۃً اوس کمال کے ساتھ موصوف ہی نہیں ہوتا محض مجازاً متصف ہوتا ہے کیونکہ وہاں واقع میں ایک ہی صفت ہوتی ہے صرف واسطہ میں اور ذی واسطہ میں کوئی صفت ہوتی ہی نہیں اسیطرح امتیوں میں واقع میں صفت تنویر کی ہے ہی نہیں وہ حضور ہی کی صفت ہے کہ امتیوں کی طرف مجازاً نسبت کر دی جاتی ہے بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ واقع میں بھی اُن میں تنویر کی صفت ہو جاتی ہے گو آپ کی ہی برکت سے سہی۔ رہا یہ کہ حضور سے جمیع کمالات میں انبیاء علیہم السلام کو فیض پہونچنے کی کیا دلیل تو ہمکو اس کے دلائل بتلانے کی گو کچھ حاجت نہیں کیونکہ یہ اہل تحقیق کا اجماعی ہے مگر تقریب فہم کے طور پر بتلانے کا کچھ مضایقہ بھی نہیں وہ ایک مقدمہ اول سمجھنا چاہیے کہ آپ جمیع کمالات انبیاء علیہم السلام کے جامع ہیں اور اسکی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم

انبیاء کے فضائل میں گفتگو کر رہے تھے کسی نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ بنایا کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ بنایا کسی نے کہا کہ حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ و کلمۃ اللہ بنایا وعلیٰ ہذا۔ اور اس گفتگو سے صحابہ کا یہ مقصود نہ تھا کہ انبیاء کو آپ پر فضیلت دیں بلکہ غالباً وہ یہ چاہ رہے تھے کہ جس طرح ہمکو ان انبیاء کے خاص اوصاف معلوم ہیں اسیطرح یہ بھی معلوم کریں کہ ہمارے حضور میں خاص صفت کیا ہے جس کی وجہ سے آپ سب انبیاء سے افضل ہیں۔ صحابہ اسی گفتگو میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری سب گفتگو سنی واقعی حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ و کلمۃ اللہ ہیں الا ان صاحبکم حبیب اللہ اس واقعہ میں یہ تو ضرور ہے کہ حضور نے اپنی یہ خاص صفت اپنی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے بیان فرمائی ہے۔

چنانچہ سیاق کلام اس کو مقتضی ہے مگر اسپر اشکال یہ ہے کہ لغت میں تتبع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت و خلت میں خلت کا درجہ بڑھا ہوا ہے کیونکہ محبت کا اطلاق تو تھوڑی سی محبت پر بھی ہو سکتا ہے مگر خلت کا اطلاق جبھی ہوتا ہے جبکہ محبت خُلَل قلب یعنی اندرون قلب میں پہونچ جائے جسکو متنبی نے اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے ؎

عذل العواذل حول قلب التائہ ۔۔۔ وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ

پس خلت اس درجہ کی محبت کا نام ہے جو سویدائے قلب میں پیوستہ ہو جائے تو اب حضور کا یہ فرمانا کہ میں حبیب اللہ ہوں ابراہیم علیہ السلام پر آپ کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتا کیونکہ وہ خلیل اللہ ہیں اور خلت کا درجہ محبت سے بڑھا ہوا ہے۔ اس اشکال کے جواب میں لوگوں نے مختلف تقریریں کی ہیں مگر سہل جواب یہ ہے کہ اس جگہ آپ نے محبت کا اطلاق معنی لغوی کے اعتبار سے نہیں فرمایا بلکہ محاورات کے اعتبار سے فرمایا ہے پس لغۃً گو خلت محبت سے بڑھی ہوئی ہے لیکن استعمال و اطلاق محاورات میں گو محبت تو

خلت سے بڑھی ہوئی نہو مگر حبیب کا صیغہ خلیل سے بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ خلیل تو حسب طرح معشوق کو کہتے ہیں اسی طرح اوس کا اطلاق عاشق پر بھی آتا ہے بخلاف حبیب کے کہ اس کا اطلاق محض معشوق پر ہوتا ہے عاشق پر حبیب کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ اسکو محب کہتے ہیں پس خلیل اللہ و حبیب اللہ میں یہ فرق ہوا کہ خلیل اللہ خدا کے عاشق کو بھی کہہ سکتے ہیں اور معشوق کو بھی اور حبیب اللہ صرف محبوب ہی کو کہیں گے دگو جو خدا کا محبوب ہوگا وہ محب بھی ضرور ہوگا مگر) مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں محبوبیت کی شان ابراہیم علیہ السلام سے بڑھی ہوئی ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضور میں شانِ محبوبیت سب سے زیادہ ہے تو اب عادات پر نظر کی جائے عادت یہ ہے کہ جب کوئی کسیکا محبوب ہوتا ہے تو محب کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جو چیز بھی عمدہ ہو اور محبوب کو دی جاسکتی ہو وہ اُس کو ضرور دیا کرتا ہے۔ دیجاسکتی ہوگی قید میں نے اس لئے بڑہائی تاکہ کوئی صاحب اس دلیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب وخواص الوہیت کو نہ ثابت کرنے لگیں اگر کوئی ایسا کریگا تو ہم کہدیں گے کہ گفتگو ان امور میں ہے جو محبوب کو دیئے جاسکتے ہوں اور خواص الوہیت کا اعطا بشر کو محال ہے ورنہ یہ بھی ممکن ہوگا کہ حق تعالیٰ کسیکو خدا بنادیں حالانکہ اسکے امکان کا کوئی بھی قائل نہیں) اور یقیناً جتنے کمالات انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے ہیں وہ سب عمدہ ہیں اور قابلِ عطاء ہیں تو اس قاعدہ عادیہ کی بناء پر جو کہ بمنزلہ لازم عقلی کے ہے حق تعالیٰ نے وہ سب کمالات حضور کو ضرور عطا فرمائے ہوں گے پس ثابت ہوگیا کہ جو کمالات جملہ انبیاء میں منفرداً منفرداً موجود ہیں وہ سب حضور میں مجتمعاً موجود ہیں۔ اسیکو کسی نے کہا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور چونکہ یہ مقدمات اقناعیہ ہیں اس لئے اگر ان پر کچھ عقلی اشکالات واقع ہوں تو مضر نہیں کیونکہ مقدماتِ اقناعیہ سے سامع کی تسلی کردینا مقصود ہوتا ہے اسکات والزام مقصود نہیں ہوتا لہذا اس مقصود پر مقدمات عادیہ سے استدلال کرنے میں کوئی

مضائقہ نہیں اور چونکہ اصل مقصود ان مقدمات پر موقوف نہیں لہذا انکا اقناعی ہونا اصل مقصود کو بھی مضر نہیں۔ شاید اس شعر پر کسیکو یہ شبہ ہو کہ یوسف علیہ السلام کا حسن تو ایسا تھا کہ زنانِ مصر نے آپ کی صورت دیکھکر بد حواسی میں ہاتھ کاٹ ڈالے تھے حضور میں یہ بات کہاں تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن کی انواع ہیں حسن کی ایک نوع یہ ہے کہ دیکھنے والیکو دفعۃً متحیر کردے اور پھر رفتہ رفتہ اُسکی سہار ہوتی جائے یوسف علیہ السلام کا حسن ایسا ہی تھا چنانچہ زلیخا کو آپ کے حسن کی سہار ہوگئی تھی اونھوں نے ایک دن بھی ہاتھ نہیں کاٹے۔ اور ایک نوع حسن کی یہ ہے کہ دفعۃً تو متحیر نہ کرے مگر جوں جوں اُسکو دیکھا جائے تحمل سے باہر ہوتا جائے جس قدر غور کیا جائے اُسی قدر دل میں گھستا جائے اُسیکو ایک شاعر بیان کرتا ہے ؎

یزیدک وجہہ حسناً ＋ اذا ما زدتہ نظراً

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن ایسا ہی تھا کہ اس میں دفعۃً متحیر کردینے کی شان ظاہر نہ تھی دکیونکہ آپ میں خداداد عظمت و جلال کی ایک شان ایسی تھی کہ دیکھنے والے پر سب سے پہلے اُس کا ایسا اثر پڑتا تھا جس کی وجہ سے دیکھتے ہی نیا آدمی مرعوب ہوجاتا تھا اُس کو حسنِ صورت پر آنکھ بھر کر نگاہ ڈالنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی تاکہ تحیر کی نوبت آوے کما فی حدیث علی من راٰہ بداھۃً ھابہ اخرجہ الترمذی فی الشمائل جامع البتہ جتنا کوئی زیادہ پاس رہتا اتنا ہی حضور کا حسن اُس پر منکشف ہوتا تھا اور دن بدن دل میں گھر کرتا چلا جاتا تھا کما فی حدیث علی المذکور ومن خالطہ بشاشۃ احبہ ۱۲ یوسف علیہ السلام کے حسن پر عورتوں کا عاشق ہوجانا منقول ہے مگر فی نفسہ یہ زیادہ بعید نہیں بلکہ فطری امر ہے جو عادت کے مطابق ہے گو کسی درجہ خاص میں خارقِ عادت بھی ہے اور حضور پر مرد عاشق تھے جن میں دنیچے بھی تھے اور

عہ جیسا کہ حدیث میں دو نوجوان بچوں کا حضور کی محبت میں ابوجہل پر حملہ آور ہونا مذکور ہے انھوں نے یہ سنلیا تھا کہ ابوجہل حضور کا بہت دشمن ہے اسلئے دونوں اُسکے قتل کیلئے بیتاب تھے چنانچہ بدر میں ابوجہل کی صورت نظر پڑی فوراً دونوں اُسپر دوڑے اور ذراسی دیر میں اسکو تہ تیغ کردیا ۱۲ جامع

ف حسن یوسفی و حسن محمدی کی تحقیق

[illegible]

بوڑھے بھی تھے مردوں کا عاشق ہونا وہ بھی رجوں اور بوڑھوں کا یہ فی نفسہ بھی بہت عجیب ہے ایک عاشق صحابی فرماتے ہیں رایتہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فی حلۃ حمراء والقمر طالع فکنت انظر الی القمر مرۃ والی وجہہ صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ فواللہ کان وجہہ احسن منہ اوکما قال یعنی ایک رات میں نے حضور کو سرخ دھاریدار جوڑے میں دیکھا اُسوقت چاند نکلا ہوا تھا تو میں کبھی آپکے چہرہ پر نظر کرتا کبھی چاند کو دیکھتا بخدا آپکا چہرہ مبارک چاند سے زیادہ خوبصورت تھا اسیکو کسی شاعر نے عجیب لطیف عنوان سے تعبیر کیا ہے ؎

کند مقابلہ چوں کس کتاب را تنہا
گہے بروئے تو گاہے بسوئے مہ نگرم

یعنی کتاب کی مقابلہ کے لئے تو دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے میں تنہا کیوں کر مقابلہ کروں

ایک مرتبہ حضرت طلحہ صحابی رضی اللہ عنہ نے لڑائی میں اپنے ہاتھوں کو حضور کا سپر بنایا تھا کفار کے جتنے تیر آتے وہ سب کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے تاکہ حضور کے کوئی تیر نہ لگنے پائے یہ عشق نہ تھا تو کیا تھا اس کے علاوہ صحابہ کی محبت کے واقعات کتابوں میں کثرت سے موجود ہیں بہت صحابہ نے آپ کی محبت میں گھر چھوڑا باہر چھوڑا بیوی بچے چھوڑے اپنے عزیزوں کو جبکہ وہ حضور کے مخالف ہوتے بیدریغ قتل کیا حتیٰ کہ خود اپنی جانیں حضور پر نثار کردیں اور سر کٹوا دئیے۔

اسی حسن کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ؎

لواحی زلیخا لو راین جبینہ
لآثرن بالقطع القلوب علی الید

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن دل میں گھستا تھا اگر آپکو زنان مصر دیکھ لیتیں تو بجائے ہاتھوں کے دلونکو چیر پھاڑ دیتیں بس اجمالاً حضور کے حسن کے متعلق میں اتنی گفتگو پر کفایت کرتا ہوں اور حقیقت میں اتنا بھی میرے مذاق کے خلاف ہے۔ باقی اس باب میں تفصیلی گفتگو کرنا تو میرے مذاق کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس میں ایہام تنقیص کا ہو جاتا ہے۔

دوسری دلیل اس مدعیٰ کی کہ آپ کی جامعیت بجمیع کمالات الانبیاء علیہم السلام ہے وہ ہے جو

[illegible]

مولٰنا رومی (قدس اللہ سرہ) نے خاتم النبیین سے مستنبط کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت جس طرح زمانی تھی اسیطرح آپکو خاتمیت رتبی بھی حاصل ہو کہ کمالات انبیاء کے تمام مراتب آپ پر ختم ہو گئے ہیں یعنی آپ میں تمام کمالات سب سے اعلیٰ درجہ کے مجتمع ہیں مولانا نے اس مضمون کو بہت اشعار میں بیان فرمایا ہے وعظ الظہور میں وہ سب اشعار مفصل مذکور ہیں اور اس سے مولانا کا یہ مقصود نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپ خاتم زمانی نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم رتبی بھی ہیں یعنی تمام مراتب کمالات آپ پر ختم ہو گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس تفسیر پر آپکی خاتمیت اور زیادہ اکمل ہو گی کہ ختم زمانی و ختم رتبی دونوں آپ کے لئے ثابت ہوں گے اور یہی وہ مضمون ہے جو مولانا محمد قاسم صاحب رح نے ظاہر فرمایا تھا تو لوگوں نے اُس پر بہت شور مچایا مگر مولانا رومی کو کوئی کچھ نہیں کہتا کیونکہ لوگ اُنکو درویش سمجھتے ہیں اور درویش بھی مجذوب اس لئے اُن سے ڈرتے ہیں لوگ درویشوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ یہ زبان سے کہدیں گے وہی ہو جائیگا۔ بلکہ اُونکی مخالفت سے وبال آجانے کا خوف کرتے ہیں اس لئے اُنپر زبان درازی نہیں کرتے خصوصًا مجذوبوں پر کیونکہ سالک تو پھر کچھ سوچ سنبھلکر کہتا ہے اور مجذوب تو بیباک ہوتا ہے جو جی میں آتا ہے بیدھڑک کہہ ڈالتا ہے خواہ بد دعا سے کوئی ہلاک ہی ہو جاوے۔

چنانچہ مولانا رومی نے مثنوی میں ایک جگہ اپنے کشف سے اُن لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے جو مثنوی کے مضامین پر انکار کرتے تھے کہ اے حسام الدین تم دیکھ رہی ہو کہ یہ لوگ انکار کی وجہ سے، جہنم میں کس طرح گر رہے ہیں۔

اشعار میں تو صراحتہً یہ مذکور نہیں کہ مولانا کن لوگوں کی نسبت یہ ارشاد فرما رہے ہیں مگر شراح نے اس کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ مولانا نے منکرین مثنوی کے بارہ میں یہ اشعار فرمائے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ مثنوی عام تصانیف کی طرح نہیں لکھی گئی بلکہ بطور املاء کے لکھی گئی ہے کہ مولانا رومی کیوقت خاص حالت ہوتی تھی اُسمیں مولانا کی زبان پر اشعار جاری ہوتے تھے اور مولانا حسام الدین لکھتے جاتے تھے اسیطرح پوری

مثنوی لکھی گئی تو اُس حالت میں منکرین کا واقعہ بھی منکشف ہو گیا اُسکو بھی بیان فرمادیا واللہ اعلم۔ تو ان اشعار کو مع شرح کے دیکھکر مولانا پر اعتراض کرنے کی لوگوں کو ذرا بھی جرأت نہیں ہوتی ڈرتی ہیں کہیں ہمارا بھی وہی حشر نہو جو منکران مثنوی کا مولانا کے زمانہ میں ہوا تھا اس لئے ان اشعار پر کوئی اعتراض نہیں کرتا مگر اسی مضمون کو مولانا محمد قاسم صاحب نے جو بیان فرمایا تو لگے فتوے نکلنے بات یہ ہے کہ لوگ علماء سے زیادہ معتقد نہیں ہوتے نہ اُن سے ڈرتی ہیں اور ہمارے حضرات کو لوگ علماء ہی سمجھتے ہیں صوفی اور شیخ نہیں سمجھتے حالانکہ مولانا محمد قاسم صاحب عالم متبحر ہونیکے ساتھ بہت بڑے شیخ کامل بھی تھے مگر اچھا ہے کہ لوگ ان حضرات کو عالم ہی سمجھیں شیخ نہ سمجھیں کیونکہ عوام جس کو شیخ سمجھتے ہیں اس کو بہت لپٹنے لگتے ہیں اُس کے پاس دنیوی قصے جھگڑے لیجاتے ہیں جس میں عارف کا وقت بہت ضائع ہوتا ہے کیمیا گر کا تو مذاق بھی ہوتا ہے کہ کوئی اُسکو کیمیا گر نہ سمجھے اگر لوگ اُسکو کیمیا گر نہ سمجھیں گے تو اُس کا کیا نقصان ہے اگر کچھ نقصان ہے تو انہی کا ہے کہ اُس کے فیوض و برکات سے محروم رہ گئے عارف تو خود چاہا کرتا ہے کہ نا اہلوں کو میرے کمال کی اطلاع نہو ؎

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

ملک۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو تحذیر الناس میں مضمون خاتمیت لکھتے ہوئے مثنوی کے یہ اشعار نہیں ملے ورنہ سہولت کے ساتھ فرمادیتے کہ خاتمیت کے یہ معنی بیان کرنے میں میں تنہا نہیں ہوں بلکہ مولانا رومی بھی اس طرف گئے ہیں اب جی چاہتا ہے کہ اشارہ کے طور پر دو تین شعر مثنوی کے وعظ الظہور سے نقل کر کے اس جگہ بیان کر دوں تاکہ ناظرین کو اس مضمون کا اجمالاً پتہ چل جائے جسکی تفصیل کو حضرت مولانا نے وعظ مذکور پر حوالہ فرمایا ہے ؎ ختمہائے کانبیا بگذاشتند + آن بدین احمدی برداشتند یعنی وہ مہریں (نقصان استعداد کی) جو انبیاء چھوڑ گئے تھے آپکا دین ایسا کامل ہے کہ اُسکی برکت نے وہ سب نقصان اُٹھا دیئے ؎ قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود + از کف انا فتحنا برگشود۔ یعنی استعداد کے بہت سے قفل بے کھلے رہ گئے تھے انا فتحنا یعنی صاحب انا فتحنا کے دست مبارک سے کھل گئے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

غرض جو تفسیر مولانا رومی نے بیان فرمائی ہے اسپر کسی نے کلام نہیں کیا اور جن لوگوں نے مولانا محمد قاسم صاحب رح پر اعتراض کیا ہے اگر اُن کو معلوم ہو جاتا کہ یہ مضمون مثنوی میں بھی ہے تو ہرگز کلام نہ کرتے اس لئے ہمیں اپنے مدعی کے اثبات میں مولانا رومی کے کلام سے استدلال کا حق ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاتمیت زمانیہ کے ساتھ خاتمیت رتبیہ بھی ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ تمام کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہیں اور دوسرے انبیاء ان میں آپ سے مستفید ہیں جب ان دلیلوں سے یہ مقدمہ ثابت ہو گیا کہ آپ جمیع کمالات انبیاء علیہم السلام کے جامع ہیں اب میں اوس دعوے کو ثابت کرتا ہوں کہ ان جمیع کمالات کا فیض حضرات انبیاء علیہم السلام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے پہونچا ہے اوسکی دلیل یہ ہے کہ مصنف عبد الرزاق میں ایک حدیث ہے یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ الحدیث الطویل ای جابر حق تعالیٰ نے سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴ ؎ بہر این خاتم شدست اوکہ بجود ۔ مثل او نے بود و نے خواہند بود ۔ آپ اس سبب سے خاتم ہوئے ہیں کہ فیوض و علوم کے جود و عطا میں آپکا مثل نہ ہوا نہ ہوگا ۔ کمالات کی تمام مراتب آپ پر ختم ہو گئے اسکا یہ مطلب نہیں کہ آپ خاتم زمانی نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم مطلق ہیں زمانا بھی کمالاً بھی ۔ ؎ چونکہ در صنعت برد استاد دست ۔ نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست ۔ تمثیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھو جب کوئی اُستاد کسی صنعت میں سبقت لیجاتا ہے تو کیا تم اُسکو یہ نہیں کہتے کہ یہ صنعت تجھپر ختم ہے یعنی ضرور کہتے ہو اسیطرح خاتم النبیین میں ختم کمالات پر بھی اشارہ ہے یعنی یہ کہ آپ پر کمالات نبوت ختم ہیں یعنی ان میں آپ کا کوئی مثل نہیں پس یہ معنی ہیں خاتمیت کے اور مطلب یہ ہے کہ ختم زمانہ کے ساتھ آپ اس طرح بھی خاتم ہیں ۔ ؎

در کشاد ختمہا تو خاتمی ۔ در جہان روح بخشاں حاتمی ۔

اول تو قوت فیضان کے اندر آپ کا خاتم ہونا بیان فرمایا تھا اس شعر میں نقصان استعداد کی مہرین کھولنے کے اعتبار سے آپ کا خاتم ہونا ظاہر فرماتے ہیں کہ آپ ان مہر دل کے کھولنے میں بھی خاتم ہیں اور روح عطا کرنے والے حضرات (یعنی انبیاء علیہم السلام) کے عالم میں آپ بمنزلہ حاتم کے ہیں ۱۲ (من الجامع)

؎ قلت ذکرہ فی المواہب (ص ۹ ج ۱) بلفظہ یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ الحدیث بطولہ ولم یذکر سندہ حتی ینظر فیہ ۱۲ جامع قلت لکن لا یضر عدم ذکر السند لان الاستدلال لمحض التائید والمدعی ثابت باجماع اہل التحقیق ۱۲

کرنا چاہا تو اوس نور کے چار حصے کئے اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش آگے طویل حدیث ہے اب یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہو گئی ہے اول ما خلق اللہ نوری مضمون تو صحیح ہے مگر حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں سو اول تو اس حدیث جابر میں تنصیص ہے کہ بقیہ سب مخلوقات کی تکوین میں جن میں حضرات انبیا اور اون کے کمالات بھی آگئے آپ کو دخل ہے اور یہی حاصل ہے استفادہ کا آپسے دوسرے یہاں بھی جس طرح مولانا رومی نے خاتمیت کی دو قسمیں کی ہیں اولیت انبیا کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں ایک اولیت زمانیہ کہ حضور زمانًا سب سے مقدم ہیں ایک اولیت ذاتیہ کہ آپ ذاتا سب سے مقدم ہیں کہ تمام مخلوقات اپنے وجود اور کمالات میں حضور کی محتاج ہیں جنمیں انبیاء بھی داخل ہیں مگر اولیت ذاتیہ کے وہ معنی مراد نہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے جس میں مقدم کی ذات مستلزم ہے متاخر کے وجود کو بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ میں اولیت زمانیہ کے ساتھ اولیت علیت بھی ہے کہ آپ دوسری مخلوق کی علت ثبوت کمالات ہیں مگر نہ علت بمعنی مؤثر بالاضطرار بلکہ علت بمعنی توسط کے غرض یہ کہ ہم آپ کے لئے نہ باری تعالی سے صدور میں ویسی اولیت ذاتیہ کے قائل ہیں جیسے فلاسفہ باری تعالی کو عقل اول کے اعتبار سے مقدم بالذات کہتے ہیں کہ عقل کو مخلوق بالاختیار نہیں کہتے بلکہ مجعول بالاضطرار کہتے ہیں کہ وہ حق تعالی سے بالاضطرار موجود ہو گئی پھر وہ اپنے ماتحت کے لئے اسی طرح علت مؤثرہ ہے بلکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق بالاختیار ہیں جس سے آپکا حدوث لازم ہے اور پھر آپ دیگر مخلوق کے وجود و کمالات میں بھی اس طرح مؤثر نہیں ہیں محض باختیار حق واسطہ ہیں غرض اس حدیث سے آپ کو دو کمال ظاہر ہوئے ایک اولیت زمانیہ دوسرے اولیت بالعلیۃ آپ کا زمانًا سب سے اول ہونا تو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ میں استفادہ فیض وجود و کمالات وجود کی قابلیت تمام مخلوق سے زیادہ ہے اور اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ وہ قابلیت آپ کے اندر از خود بلا جعل حق تھی بلکہ وہ قابلیت بھی آپ کی اندر مشیت الٰہی و عطاء خداوندی سے آئی ہے قابلیت بھی آپکے لئے

بالاضطرار ثابت نہیں بلکہ بالقصد والاختیار ثابت ہوتی ہے یہاں سے اس شعر کا اگر اوس میں تاویل ہو جاوے غلط ہونا واضح ہو گیا ہ

نقصان ز قابل است وگرنہ علی الدوام   فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است

اسکا مدلول یہ ہے کہ مخلوق میں جو بعض کامل اور بعض ناقص ہیں اس اختلاف کا منشا قابل کی استعداد کا ناقص و کامل ہونا ہے ورنہ حق تعالیٰ کا فیض سعادت سب کے لئے یکساں ہے گویا فیض الٰہی کی مثال نور آفتاب جیسی ہے کہ وہ تو اپنی طرف سے نور افشانی سب پر یکساں کرتا ہے کسی پر کم زاید نہیں کرتا مگر قابل کے اختلاف سے آثار تنور مختلف ہو جاتے ہیں کہ سیاہ توے میں تنور کی قابلیت کم ہے اس لئے وہ زیادہ روشن نہو سکا اور آئینہ میں قابلیت زیادہ ہے وہ زیادہ منور ہو گیا یہہ ہے مدلول اس شعر کا سو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر شخص میں جو قابلیت مختلف ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے بالاضطرار ثابت ہے بالاختیار ثابت نہیں اور اسی وجہ سے باوجودیکہ سب کو فیض برابر پہونچاتے ہیں مگر کہیں زیادہ پہونچتا ہے کہیں کم اور یہ لازم بالکل باطل ہے کیونکہ وہ قابلیت فی نفسہ امر ممکن ہے تو بعض ممکنات کا قدیم و مستغنی عن الجاعل ہونا لازم آئے گا جو بالکل غلط ہے ممکن کوئی ایسا نہیں جو جاعل سے مستغنی ہو یا حق تعالیٰ سے بطریق ایجاب و اضطرار کے صادر ہوا ہو یہ مذہب فلاسفہ کا ہے جو مادہ کو اور اس کی استعداد کو قدیم اور صادر بالاضطرار کہتے ہیں اہل اسلام کا یہ مذہب نہیں ہے اور فلاسفہ کے قول کا غلط ہونا متکلمین نے خوب ثابت کر دیا ہے پس یہ کہنا غلط ہے کہ نقصان کا منشاء استعداد کا نقص ہے بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی نے کسیکی استعداد کامل اور کسیکی ناقص بنائی ہے اور وہی خود سبکو یکساں فیض پہونچانا نہیں چاہتے

اگر وہ سبکو یکساں فیض پہونچانا چاہیں تو استعداد ناقص کی کیا مجال ہے جو اسکو قبول نہ کرے اسلئے صحیح مضمون اس شعر کا ہے

داد او را قابلیت شرط نیست   بلکہ شرط قابلیت داد است ہ

یعنی حق تعالیٰ کی عطا قابلیت پر موقوف نہیں بلکہ قابلیت خود عطا پر موقوف ہے اگر حق تعالیٰ کسی کو کمالات عطا کرنا چاہیں تو اُس میں قابلیت بھی پیدا کر دیتے ہیں یہ مضمون نصوص پر منطبق ہے آیات و احادیث اس کی تائید کرتی ہے ولو شاء اللہ لجمعهم على الهدى. ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا وغیر ذلک۔ اور پہلا شعر غلط ہے وہ شریعت پر منطبق نہیں ہوتا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ نے اسی بنا پر عرفی کے اس شعر کی بھی تغلیط کی ہے اور سُنا ہے ہے کہ تکفیر بھی کی ہے

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل ‌ ‌ ‌ سلمائے حدوثِ تو و لیلائے قدم را

اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حدوث و قدم کی دونوں صفتیں ثابت کی ہیں یہ مذہب فلاسفہ کا ہے کہ حدوث ذاتی کے ساتھ قدم زمانی ممکن کے لئے بھی ثابت ہو سکتا ہے اہل اسلام کا یہ مذہب نہیں ہمارے نزدیک تعدد ذوات قدیمہ محال ہے کوئی ممکن قدیم نہیں ہو سکتا نہ بالذات نہ بالزمان، ہاں اگر عرفی کے اسی شعر میں قدم سے معنی مصطلح مراد نہ ہوں بلکہ معنی لغوی یعنی کہنگی مراد لی جائے تو اس صورت میں تکفیر کی ضرورت نہیں بلکہ اب اسکے وہی معنی ہوں گے جو اول ما خلق اللہ نوری کے معنی ہیں غرض آپ کا اول مخلوق ہونا آپکی کمال قابلیت کی دلیل ہے کہ اول فیض حق تعالیٰ کا آپکو پہونچا گو وہ قابلیت بھی بمشیت الٰہیہ ہے مگر حق تعالیٰ کا آپ میں ایسی قابلیت کاملہ پیدا کرنا کیا تھوڑی بات ہے بہت بڑی بات ہے اور اولیت زمانیہ سے زیادہ کمال یہ ہے کہ آپ اس کی ساتھ تقدم بالعلیت سے بھی موصوف ہیں یعنی تاثیر بالذات کی بلکہ بمعنی توسط کے نیز نشر الطیب کے فصل ثانی کی پہلی اور دوسری

ھ قلت ویمکن تاویلہ بحملہ علی لغۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیصح ۱۲ جامع عفی عنہ قلت ویؤید اولیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بهذا المعنی حدیث جابر المذکور لما فیه من قوله فجعل ذلک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالی ولم یکن فی ذلک الوقت لوح ولا قلم ولا جنۃ ولا نار ولا ملک ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا انس فلما اراد اللہ

روایت ہیں حاکم و بیہقی و طبرانی کی تخریج سے حدیث قدسی مذکور ہے کہ اے آدم اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمکو بھی پیدا نہ کرتا اور رسالہ راحت القلوب میں حاکم کی روایت اور تصحیح سے اور شیخ سبکی اور بلقینی کی اس روایت کی تقریر و تثبیت سے نقل کیا ہے کہ اگر نہ پیدا کرتا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پیدا کرتا میں آدم کو اور نہ بہشت اور دوزخ کو الحدیث ان سب روایات سے آپ کا واسطہ فیوض و کمالات ہونا جمیع مخلوقات کے لئے ثابت ہے امت کے لئے تو واسطہ فی العروض کے طور پر اور انبیا کے لئے واسطہ فی الثبوت کے طور پر کیونکہ واسطہ فی العروض میں موصوف بالشئی حقیقت میں واسطہ ہوتا ہے ذی واسطہ مجازاً موصوف ہوتا ہی جیسے حرکت جالس فی السفینہ کی بواسطہ سفینہ کے کہ حرکت کو ساتھ حقیقت میں صرف سفینہ موصوف ہے جالس در اصل ساکن ہی مگر بواسطہ حرکت سفینہ کے جالس کو بھی مجازاً متحرک کہہ دیتے ہیں اور واسطہ فی الثبوت کی ایک قسم ہیں کہ وہی مراد ہے اس مقام پر موصوف بالشئی ذی واسطہ و واسطہ دونوں حقیقۃً ہوتے ہیں جیسے ید و مفتاح دونوں متحرک ہوتے ہیں۔

پس فیوض امت کے لئے تو حضور اس قسم کے واسطہ ہیں جیسے سفینہ واسطہ ہے حرکت جالس کے لئے اور فیوض انبیاء ہیں آپ اس طرح واسطہ ہیں جیسے حرکت ید واسطہ ہے حرکت مفتاح کے لئے خوب سمجھ لو۔ یہی بات مولانا محمد قاسم صاحب نے بھی بیان فرمائی تھی جس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور حیرت ہی کہ اپنی جماعت کے بعض اکابر کو بھی اشکال تھا اور وجہ اشکال یہ ہی کہ مولانا نے کمالات انبیاء میں بھی واسطہ فی العروض کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور اسکو کہیں بالذات و بالعرض سے تعبیر فرماتے ہیں بعض اکابر نے مجھ سے بھی اپنا یہ اشکال بیان فرمایا کہ اس سے تو دوسرے انبیاء کا کمالات کی ساتھ حقیقۃً موصوف نہ ہونا لازم آتا ہے میں نے عرض کیا کہ یہ مولانا کی خاص اصطلاح ہی کہ وہ واسطہ فی الثبوت کی جگہ بھی واسطہ فی العروض ہی استعمال فرماتے ہیں اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور دعا دی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸ ان یخلق الخلق قسم ذلک النور اربعۃ اجزاء (الی ان قال) ثم قسم الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الاول نور ابصار المومنین ومن الثانی نور قلوبہم وھو المعرفۃ باللّٰہ ومن الثالث نور انسہم وھو التوحید الحدیث بطولہ واللّٰہ اعلم بصحتہ ۱۲ جامع

بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی جدا اصطلاح قائم کر لینے کا حق ہے لا مشاحۃ فی الاصطلاح مولانا کے ذمہ شیخ بو علی سینا کی اصطلاحات کا اتباع لازم نہیں اُن کی یہ ذاتی اصطلاح ہے کہ واسطہ فی الثبوت کی ایک خاص قسم کو واسطہ فی العروض سے تعبیر فرماتے ہیں اور صوفیہ پر اکثر اعتراض اسلئے ہوتا ہے کہ لوگ اُن کی خاص اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎ مصرعہ

اصطلاحاتیست مر ابدال را۔

مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی میں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید میں تحریری مناظرہ ہوا کرتا تھا زبانی مناظرہ کی کبھی نوبت نہیں آئی تو ایک دفعہ مولوی فضل حق صاحب نے اپنے طلبہ سے پوچھا کہ بھلا اگر مولوی اسمٰعیل صاحب سے میرا زبانی مناظرہ ہوتا تو میں کس فن میں مناظرہ کرتا طلبہ نے کہا معقول میں کیونکہ مولوی فضل حق معقول کے امام مشہور تھے اور واقعی اس فن میں اُن کو کمال حاصل تھا اسلئے طلبہ نے بھی یہی کہا کہ آپ معقول میں مناظرہ کرتے۔ فرمایا سبحان اللہ میں کیا پاگل تھا کہ معقول میں اُن سے مناظرہ کرتا کبھی میں اپنے قول کی تائید میں کہتا کہ شیخ نے یوں کہا ہے وہ جواب دیتے کہ شیخ نے جھک مارا ہم اُس کا قول نہیں مانتے طلبہ نے پوچھا کہ پھر کس فن میں آپ مناظرہ کرتے فرمایا میں ادب میں گفتگو کرتا کیونکہ یہ علم منقول محض ہے اسمیں ذہانت سے کام نہیں چل سکتا اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو اس فن میں ویسا توغل نہ تھا جیسا مولوی فضل حق کو تھا۔ واقعی عجیب فن چھانٹا جس میں وہی چل سکتا ہے جو حافظ اشعار و لغات ہو اس میں اپنی طرف سے ایک بات بھی نہیں چل سکتی ہر دعوے کیلئے نقل کی ضرورت ہے۔ ہمارے اُستاد ملا محمود صاحب ادب سے بہت گھبراتے تھے اور سب فنون پڑھاتے تھے اور بہت اچھا پڑھاتے تھے مگر ادب کی کتاب جہاں کوئی لایا صاف فرما دیتے تھے کہ میں نہیں جانتا تو بات وہی تھی کہ اس فن میں حفظ و نقل کی بہت ضرورت ہے مگر دیکھئے یہ بھی اُن کی بے نفسی تھی کہ صاف کہدیتے تھے کہ مجھے یہ فن نہیں آتا میں نہیں جانتا بھلا آج تو کوئی اپنے طلبہ سے ایسا کہدے۔ نہیں کہہ سکتا مولانا بڑی بے نفس تھے یاں بہت کہا کرتے تھے سبق پڑھاتے ہیں بھی یاں منہ میں رہتا تھا اسلئے

تقریر خود کم کرتے تھے بس طالب علم نے تقریر کی اور آپ نے ہوں ہوں کر دیا۔ بعض دفعہ کوئی شریر طالب علم ایک بار صحیح تقریر کر کے دوبارہ غلط مطلب بیان کرتا تو آپ غلط پر بھی ہوں ہوں کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار آپ مدرسہ سے گھر جا رہے تھے ایک کاشغری طالب علم کوئی بات پوچھنے کے لئے ساتھ ہو لیا اُس نے تقریر کی آپ نے ہوں ہوں کر دیا اُسنے شرارت کر کے پھر دوبارہ غلط تقریر کی آپ نے اُس پر بھی ہُوں ہُوں کر دیا اُس نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ہوں ہوں کرتا ہے بتلاتا نہیں اُس وقت آپکو ہنسی آگئی اور وہاں تھوک کر فرمایا کہ گدھے کے بلّے تو ہی تو خود تقریر کر رہا تھا تو نے مجھ سے کب کہا تھا کہ تم تقریر کرو اب تو نے کہا ہے تو میں تقریر کروں گا پھر آپ نے صحیح مطلب بیان فرما دیا۔ مولانا صاحب کسی پر غصے ہوتے تو گدھے کا بلّہ فرمایا کرتے طلبہ کہتے کہ حضرت گدھے کے بھی کہیں پلّا ہوتا ہے پلّا تو کتّے کا ہوتا ہے۔ بہت ہی بے نفس اور بھولے تھے مگر علوم میں بہت خوب سمجھتا تھا غرض دیکھئے مولوی فضل حق صاحب نے منطق کی حقیقت ظاہر کر دی کہ اگر میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے منطق میں مناظرہ کرتا تو وہ ایک بات کہکر میرے تمام دلائل کو اڑا دیتے کہ شیخ نے جھک مارا۔ ارسطو نے غلط کہا

اسیطرح مولانا محمد قاسم صاحب رح اصطلاح فلاسفہ کے پابند نہ تھے اُن کی یہ الگ اصطلاح تھی کہ وہ واسطہ فی الثبوت کو واسطہ فی العروض فرماتے ہیں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمالات انبیاء میں واسطہ فی الثبوت ہیں اس لئے جتنے کمالات انبیاء میں موجود ہیں وہ سب آپ میں مجتمع ہیں اور آپ ہی سے انبیاء کو حاصل ہوئے ہیں اسکی مزید تائید نشر الطیب کی چھٹی روایت منقولہ من المواہب سے ہوتی ہے کہ امام محمد باقر رض فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم میثاق میں یہ اقرار لیا کہ الست بربکم سب سے اول آپ ہی نے فرمایا بلیٰ گویا اور حضرات نے اس جواب کی آپ سے تلقی کی اور رسالہ مذکور کی ساتویں روایت میں مواہب سے حضرت عباس رض کی اشعار ہیں کہ تقریر نبوی سے وہ ثابت ہیں سفینہ نوح علیہ السلام کی سلامتی اور نار نمرود میں حضرت ابراہیم کی حفاظت آپکی برکت سے ہوئی اسی کا خلاصہ صاحب قصیدہ بردہ نے اس شعر میں کہا ہے

وکل آی اتی الرسل الکرام بہا فانما اتصلت من نورہ بہم

ان سب دلائل سے آپ کی ذات مقدسہ میں جمیع کمالات انبیاء کا اجتماع اور دوسرے حضرات میں آپ کے

واسطے سے پہنچا اچھی طرح ثابت ہوگیا۔ شاید اسپر کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں معجزہ عصا کہاں تھا اسکا جواب یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب مجاورت سے ایک سوکھی لکڑی میں حیوۃ پیدا ہوگئی تھی جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے جب ممبر نبوی تیار ہوگیا اور آپ پہلی جگہ سے ہٹ کر ممبر پر تشریف فرما ہوئے تو اثناء خطبہ میں اس سوکھی لکڑی کے اندر سے بہت زور سے رونے کی آواز نکلنے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر سے اتر کر اس کے پاس تشریف لائے اور اسکی تسلی فرمائی تو وہ آواز آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ جیسے بچہ روتے ہوئے سسکتا ہے۔ اور کمال یہ کہ اس واقعہ میں استن حنانہ میں بصورت جمادیت ہی حیاۃ وصوت پیدا ہوگئی صورت حی میں منقلب ہونے کے بعد آثار حیوۃ کا ظہور نہیں ہوا اور یہ معجزہ عصا کی زیادہ عجیب ہے کیونکہ عصائے موسوی میں آثار حیاۃ کا ظہور بعد انقلاب صورت شکل اژدہا ہوتا تھا اور یہ بھی گو بڑا خرق عادت ہے مگر واقعہ استن حنانہ اس سے زیادہ عجیب ہے پس حضور میں معجزہ عصا کا وجود واقعہ استن حنانہ سے ثابت ہوگیا۔ اور پھر میں وہی کہتا ہوں کہ اسباب میں تفصیلاً گفتگو نہ کرنا چاہئے مگر پتے کے طور پر میں نے ایک مثال بیان کردی ہے جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر غور کیا جائیگا تو حضور میں وہ سب کمالات مجتمعاً معلوم ہو جائیں گے جو حضرات انبیاء میں منفرداً منفرداً موجود تھے اور انکو حضور ہی کے واسطے سے وہ کمالات حاصل ہوئے ہیں اور گو یہ کمالات انبیاء علیہم السلام میں بھی حقیقی ہیں مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ آپ میں وہ کمالات اوروں سے اقوی واکمل ہیں اور اجمالاً اتنا کہنے کا ہمیں حق حاصل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الانبیاء ہونا مجمع علیہ ہے۔ باقی کمالات امت کی واسطے تو حضور واسطہ فی العروض ہیں اس لئے یہاں وہ مثال نہیں ہے جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو کر مستقل ہو جاتا ہے بلکہ یہاں وہ مثال ہے جیسے گھر میں چراغ روشن ہونے سے در و دیوار منور ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ در و دیوار میں روشنی کوئی مستقل نہیں ہے وہی ہے جو چراغ میں ہے۔

چنانچہ اگر وہاں سے چراغ کو اٹھا لیا جاوے تو در و دیوار سب تاریک ہو جائیں گے اسیطرح امتی کے اندر جو کمالات ہیں وہ محض آپ کے فیوض کا عکس ہے کوئی مستقل کمال نہیں

اگر وہ اپنے کو صاحب کمال مستقل سمجھنے لگے تو کورا رہ جائیگا۔ جیسا کہ ایک کاتب وحی کا قصہ ہے جس کا نام عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھا حضور کی برکت صحبت سے اس میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ ایک مرتبہ آپنے اُسکو قرآن شریف کی یہ آیت لکھنے کا امر فرمایا جو اُسیوقت نازل ہوئی تھی ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ۔ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأناہ خلقا آخر حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہاں تک پڑھنے پائے تھے کہ اس کا اخیر جزو بیساختہ کاتب کی زبان پر جاری ہو گیا فتبارک اللہ احسن الخالقین حضور نے فرمایا لکھو یہی وحی میں بھی ہے۔ تو یہ کیا تھا حضور کے فیض قلب کا عکس تھا کہ اُس شخص کے دل پر حضور کے قلب کا عکس پڑ گیا اور فی الجملہ وحی سے مناسبت ہو گئی کہ اُسکے دل میں بھی از خود آیت کا اخیر لفظ آگیا۔ مگر وہ شخص سمجھا کہ بس میں بھی پیغمبر ہو گیا مجھپر بھی وحی آنے لگے کم ظرف اور کم حوصلہ تھا کہ اتنی بات پر آپے سے باہر ہو گیا اور مدعی نبوت بنکر مرتد ہو گیا اور حضور سے اپنا تعلق قطع کر لیا یہ نہ سمجھا کہ یہ حضور ہی کا فیض تھا ورنہ مرتد ہونے کے بعد اُسنے قرآن کی مثل کوئی جملہ کیوں نہ بنا لیا بس آپ سے تعلق قطع کرتے ہی کورا ہو گیا اسیکے متعلق یہ آیت نازل ہوئی و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال سانزل مثل ما انزل اللہ یہ شخص ایک جملہ ہی کے توارد پر آپے سے باہر ہو گیا کیونکہ کم ظرف تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بارہا ایسا قصہ پیش آیا کہ وحی سے اُنکو توافق ہو گیا بعض دفعہ تو وحی اُن کی رائے کیموافق نازل ہوئی اور بعض دفعہ بلفظہ توافق ہوا کہ وحی انہی الفاظ میں نازل ہوئی جو حضرت عمر کی زبان سے نکلے تھے مگر اُن کو ایک دفعہ بھی یہ خیال نہوا کہ میں کچھ ہوں اور مجھپر بھی وحی آتی ہے بلکہ وہ اسکی حقیقت کو سمجھتے تھے کہ یہ محض حضور کی صحبت کی برکت ہے جو ہمارے قلب میں تھوڑی سی نورانیت حضور کے طفیل سے پیدا ہو گئی ہے کہ بعض دفعہ وہی بات دل میں آجاتی ہے جسکے موافق وحی نازل ہونیوالی ہے بلکہ حضرت عمر تو اسپر نازاں ہوتے ہو گیا ہو تا بعض دفعہ کسی واقعہ میں جب اُن کی رائے میں اور حضور کی رائے میں اختلاف

ہوتا اور وحی حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوتی تو حضرت عمرؓ بجائے خوش ہونے کی شرمندہ ہوتے اور کئی کئی دن تک شرمندہ رہتے۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کے قصہ موت میں حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے گفتگو کی تھی کہ آپ اس منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ان منافقوں کی بابت آپ کتنا ہی استغفار کریں ہم اُن کی مغفرت ہرگز نہ کریں گے۔ (اور نماز جنازہ کی حقیقت دعاء و استغفار ہی ہے تو اُن کے لئے دعا نہ کرنا چاہئے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم حضورؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے صراحۃً اُن کے لئے استغفار کرنے سے منع نہیں فرمایا اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میری ستر سے زیادہ استغفار کرنے سے حق تعالیٰ بخش دیں گے تو میں ستر سے زیادہ استغفار کرلوں گا اس گفتگو کے بعد آپ نے نماز پڑھا دی وہاں سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ وحی نازل ہوئی ولا تصل علی احد منھم مات ابدا و لا تقم علی قبرہٖ انھم کفروا باللہ و برسولہ وماتوا وھم فاسقون۔ جس میں حضرت عمرؓ کی رائے کی پوری موافقت تھی حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمرؓ حق تعالیٰ نے تمہاری رائے کو قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ بہت ہی شرمندہ ہوئے کہ یہ کیا ہوا میں نے حضورؐ سے کیوں اختلاف کیا تھا روایات میں حضرت عمرؓ کا قول آتا ہے فعجبت من جرأتی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ البخاری) بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو عبد اللہ بن ابی سرح کے واقعہ میں توارد بالوحی نہ تھا کیونکہ وہاں وحی نازل ہو چکی تھی صرف انعکاس تھا کہ آپ کے دل میں جو الفاظ منزلہ موجود تھے اُن میں سے ایک جملہ اُس کے قلب میں بھی آگیا۔ اور یہ کچھ زیادہ عجیب بات نہیں بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے دل میں جو بات ہوتی ہے پاس بیٹھنے والے کے دل پر اُس کا عکس پڑ جاتا ہے اور اسکی زبان سے وہی بات نکل جاتی ہے جو پہلے شخص کے دل میں تھی چنانچہ ایسے موقعہ میں کہا کرتے ہیں کہ میاں تم نے تو میرے دل کی ہی بات کہدی ۱۲ جامع۔ اور حضرت عمرؓ کے واقعہ میں وحی اب تک نازل بھی نہوئی تھی

واقعہ اختلاف کے بعد وحی نازل ہوئی جو اُن کی رائے کے مطابق تھی اور بعض دفعہ تو الفاظ بھی وہی ہوتے تھے جو حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلے تھے مگر اُن کو ایک دفعہ بھی اس پر ناز نہوا بلکہ اُس کو حضورؐ ہی کی صحبت کی برکت سمجھے غرض اُمتی اپنے کو مستقل سمجھنے سے بالکل کورا رہ جائیگا ساری کمالات سلب ہو جائیں گے جیسا ابن ابی سرح کے واقعہ میں ہوا پس کمالات اُمت کے لئے آپ واسطہ فی العروض ہی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے لئے واسطہ فی الثبوت مقصود تو اُس سے حاصل ہو گیا مگر یہاں ایک اشکال طالبعلمانہ رہ گیا ساتھ کے ساتھ میں اسکو بھی حل کئے دیتا ہوں۔ اشکال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت استغفر لھم اولا تستغفر لھم کو تخییر پر محمول فرمایا حالانکہ سیاق کلام سے یہ جملہ تسویہ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ چاہے آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا نہ استغفار کریں اگر آپ ستر دفعہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت کبھی نہ کریں گے یعنی دونوں باتیں اُن کے حق میں مساوی ہیں چنانچہ اہل محاورات اسکو خوب سمجھتے ہیں۔

نیز ان تستغفر لھم سبعین مرۃ میں عدد سبعین سے کثرت مراد ہے عدد خاص مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ چاہے آپ کتنا ہی استغفار کریں اُن کی مغفرت نہوگی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ میں ستر سے زیادہ استغفار کرونگا اسکی کیا وجہ ہے آپ تو افصح العرب ہیں آپ نے آیت کو تخییر پر اور عدد کو تحدید پر کیوں محمول فرمایا اس اشکال کا جواب شافی میں نے کہیں منقول تو دیکھا نہیں اور نہ کتابوں پر میری نظر زیادہ ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میں نے جو جواب سُنا ہے وہ بیان کرتا ہوں ممکن ہے کہ نقل سے بھی اس کی تائید ہو جائے اور اگر نقل سے تائید نہ بھی ہو تو حضرت مولانا کو حق تعالیٰ نے فن تفسیر سے خاص ذوق عطا فرمایا تھا اُن کے جواب کو ہم حجت سمجھتے ہیں مولانا نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ بیشک اسلوب کلام تو تسویہ ہی کیلئے ہے اور عدد سبعین سے بھی خصوصیت عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس وقت رحمت کا حال غالب تھا غلبہ رحمت سے آپ نے صورت کلام سے تمسک فرمایا تو اس

جواب ہے اشکال تو رفع ہو گیا مگر اس سے صوفیہ کے ایک قول کو مقید کرنا پڑیگا وہ یہ کہ صوفیہ کا قول ہے کہ کاملین پر غلبہ حال نہیں ہوتا تو اس میں یہ قید لگانی پڑیگی یعنی اکثر نہیں ہوتا کبھی کبھی ضرور ہو جاتا ہے۔ اور یہ تقیید محض مولانا کے جواب کی وجہ سے نہیں بلکہ احادیث صحیحہ اس کی تائید کرتی ہیں چنانچہ واقعۂ بدر میں جب مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہونیوالا تھا حدیث میں آتا ہے کہ اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش مبارک میں نہایت الحاح کے ساتھ دعا فرما رہے تھے کہ اے اللہ اپنے وعدۂ نصر کو پورا فرمائیے اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائیے حتیٰ کہ جوش میں یہ بھی فرمایا اللهم ان تهلك هذه العصابة لم تعبد بعد اليوم اے اللہ اگر یہ تھوڑی سی جماعت (مسلمانوں کی) ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں آپ کی عبادت نہ ہوگی۔ اللہ اکبر۔ خدا تعالیٰ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر مسلمان اس واقعہ میں مغلوب ہو گئے تو پھر کوئی آپکا نام نہ لیگا۔ صاحبو! آخر یہ کیا تھا علماء قشر تو تھک جاتے گے تاویلیں کرتے کرتے مگر ان سے کچھ جواب نہ آئیگا ہاں صوفیہ اس کا جواب نہایت سہولت سے دیں گے کہ اس وقت آپ پر غلبہ حال تھا مقام ناز کی کیفیت غالب تھی لیجئے سارا اشکال مرتفع ہو گیا مگر یہ جواب اسکو مقتضی ہے کہ صوفیہ کے اوس قول مشہور کو مقید کیا جائے۔ اب ایک اشکال اور رہ گیا وہ یہ کہ ہم نے تسلیم کیا کہ آیت کی صورت تخییر کو محتمل تھی مگر اس سے محض جواز معلوم ہوا وجوب تو نہیں معلوم ہوا تخییر سے جسطرح منافقین کی نماز پڑھنے کا جواز نکلتا ہے ترک صلوٰۃ کا جواز بھی تو نکلتا ہے پھر حضور نے صلوٰۃ کو ترک صلوٰۃ پر کیوں ترجیح دی آپ نے نماز پڑھی کیوں اس کے لئے کوئی مرجح بتلانا چاہئے ورنہ آپ کے فعل کا عبث ہونا لازم آئیگا اس کا جواب ایک تو مورخین نے دیا ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے سخت ترین دشمن پر یہ رحمت و شفقت دیکھکر بہت لوگ مسلمان ہو گئے تھے تو گویا آپ کے فعل میں یہ فائدہ اور یہ حکمت تھی اور دشمنوں کو یہ دکھلانا منظور تھا کہ رسول کو اپنے نفس کے لئے کسی سے بھی عداوت نہیں ہے بلکہ وہ دل سے اپنے دشمنوں کے لئے بھی رحمت و مغفرت کے خواہاں ہیں (جبتک حق تعالیٰ ممانعت نہ فرما دیں) اگر نفس کے لئے کسی سے آپکو دشمنی ہوتی تو عبداللہ بن ابی کے کفن میں اپنا قمیص مبارک ہرگز نہ دیتے

نہ اُس کی نماز پڑھتے نہ دفن میں شریک ہوتے کیونکہ شرعاً آپ کے ذمہ ان میں سے ایک کام
بھی واجب نہ تھا مگر آپ نے شفقت و رحمت سے سب کچھ کیا اور اُس کی دشمنی پر کچھ بھی
التفات نہیں فرمایا اور ایک جواب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے دیا ہے کہ حضور نے
عبداللہ بن ابی کے واقعہ میں اس مسئلہ کو حل فرمایا ہے کہ تبرکات کے بھروسہ پر کوئی نہ رہے
بدون ایمان کے سب بیکار ہیں چنانچہ دیکھو کہ ابن ابی کے پاس کتنے تبرکات جمع ہو گئے
حضور نے اپنا قمیص مبارک اُسکے کفن میں دیا بھلا یہ بات کس کو نصیب ہوتی ہے آج کل
کوئی بہت کریگا غلاف کعبہ کا ٹکڑا رکھدیگا مگر غلاف کعبہ کو حضور کے قمیص سے کیا
نسبت حضور کا جسد اطہر عرش و کعبہ سب سے افضل ہے اور اگر غلاف کعبہ کو قمیص نبوی کی
برابر مان بھی لیا جائے تو یہ دولت کس کو نصیب ہو سکتی ہے کہ حضور کا لعاب مبارک
اُس کے منہ میں پڑے عبداللہ بن ابی کے مرنے کے بعد آپ نے اپنا لعاب بھی اُس کے
منہ میں ڈالدیا تھا وہ تو آپ کا جزو تھا جسکی برکت لباس سے بھی زیادہ ہے۔ پھر آپنے اُسکے جنازہ
کی نماز پڑھی گویا اُس کے لئے دعاء مغفرت فرمائی بھلا یہ شرف آج کسکو نصیب ہو سکتا ہے کہ
حضور صحابہ کو لیکر اُس کے جنازہ کی نماز پڑھیں مگر باوجود ان تمام باتوں کے عبداللہ بن ابی
کو ان تبرکات سے کچھ بھی نفع نہوا کیونکہ وہ ایمان سے محروم تھا حق تعالیٰ نے اسے صاف
فرمادیا۔ انہم کفروا باللہ و برسولہ وماتوا وہم فاسقون غرض حضرت عمرؓ کے قصہ پر یہ
سارا بیان چل پڑا تھا اوس کے قبل میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضور سے جدا اور مستقل ہو کر رہنے
سے ہستی تمام کمالات سے کورا ہو جاتا ہے اور آپکی تو بڑی شان ہے حضرات اولیاء اللہ
سے بھی گستاخی کے ساتھ تعلق قطع کرنا سلب فیوض و برکات و سلب نسبت بلکہ بعض دفعہ
سلب ایمان کا سبب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے مستفیدین کے لئے واسطہ فی الفیوض
ہوتے ہیں اور واسطہ کے ساتھ گستاخی عادت الٰہی کے موافق گستاخ کو تمام فیوض سے کورا
کر دیتی ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ اولیا کے کمالات جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بعینہ حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم ہی کے کمالات ہیں چنانچہ علماء نے کہا بھی ہے کہ اولیاء کے کرامات حضور کے معجزات
ہیں جو اون اولیا میں ظاہر ہوتے ہیں پس جس شخص نے اوس ولی کو جزماً یا احتمالاً

صاحب کمال مان لیا اوس کے کمال کو بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال مان لیا پس اوس کمال کی بے ادبی کرنا حضور کے ساتھ بے ادبی کرنا ہے ہاں اگر کسی وجہ شرعی سے اوس کو صاحب کمال ہی نہ مانی تو وہاں یہ علت جاری نہیں ہوگی۔

چنانچہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ اپنی جوانی میں ایک بزرگ کی زیارت کو جارہے تھے ساتھ میں دو آدمی اور تھے آپس میں گفتگو ہوئی جس طرح راستہ طے کرنیوالے رفیقوں میں ہوا کرتی ہے کہ بھائی تم ان بزرگ کے پاس کس غرض سے جارہے ہو ایک شخص نے تو کچھ دنیوی غرض بتلائی کہ میں اپنے لئے فراخیٔ رزق وغیرہ کی دعا کراؤنگا دوسری شخص نے جو کہ عالم تھا اور اس کا نام ابن السقاؒ تھا کہا میں تو ان بزرگ کا امتحان کرنے جارہا ہوں کہ دیکھو یہ خالی بزرگ ہی ہیں یا کچھ علم سے بھی تعلق ہے میں اُن سے ایسی پیچیدہ سوالات کرونگا جنکا جواب نہ بن پڑے۔ پھر حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ سے اُن دونوں نے پوچھا کہ صاحبزادے تم کس کام کو لئے جارہے ہو فرمایا کہ میں تو صرف اس لئے جارہا ہوں کہ یہ بزرگ اللہ کے مقبول بندے ہیں شاید انکی زیارت سے ہمارے نفس کی اصلاح ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ہمارے حال پر بھی فضل ہو جائے۔ غرض تینوں ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے انکو کشف سے ان تینوں کی نیت کا حال پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا۔ ابھی یہ لوگ کچھ عرض کرنے بھی نہ پائے تھے کہ شیخ نے خود ہی سبکے سوالات کا جواب دیدیا۔.....

جو شخص دنیوی غرض کے لئے آیا تھا اُس سے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سونے چاندی کے ڈھیر تیرے پیروں کے نیچے ہوں گے (گویا اُس کا مقصود پورا ہو گیا) ابن السقاؒ سے فرمایا کہ تیرا ایک سوال یہ ہے اور اُس کا یہ جواب اور دوسرا سوال یہ ہے اور اُسکا یہ جواب سوالوں کے جواب تو یہ ہیں مگر مجھے تیرے چہرہ پر آثار کفر نظر آرہے ہیں اور میں وہ حالت دیکھ رہا ہوں جبکہ تو اسلام سے مرتد ہو جائے گا۔

چنانچہ یہ شخص ایک مرتبہ خلیفۂ وقت کی طرف سے ہرقل کے پاس کوئی پیام لیکر گیا تھا بہت بڑا عالم تھا کہ خلیفہ نے سفارت کے لئے اُسکو منتخب کر رکھا تھا مگر اُسنے اُن بزرگ کے ساتھ گستاخی کی نیت کی تھی اُسکے وبال میں ہرقل کے پاس جاکر اُسکی کسی لڑکی پر فریفتہ

ہوکر اوس کے عشق میں نصرانی ہوگیا اور اسی حالت میں مرا نعوذ باللہ منہ اور حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ سے فرمایا کہ مجھکو یہ بات نظر آرہی ہے کہ تم ممبر بغداد پر بیٹھے ہوئے یہ کہہ رہے ہو قدمی ھذہ علی رقاب کل اولیاء اللہ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اولیاء اللہ کی گردنیں اسوقت جھک رہی ہیں کتنا صحیح کشف تھا کیونکہ یہ بات اُنھوں نے ایسے وقت میں فرمائی تھی کہ اُس وقت حضرت شیخ عبدالقادرؒ بالکل بچے نوجوان تھے۔ اس کا کسیکو وہم بھی نہ ہوسکتا تھا کہ کسیوقت اس درجہ کو پہونچیں گے مگر کشف بالکل صحیح تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا جسکا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ ممبر بغداد پر بیٹھے ہوئے ایک دن وعظ فرمارہے تھے اثناء وعظ میں جوش آیا اور فرمایا قدمی ھذہ علی رقاب کل اولیاء اللہ اُس وقت جتنے اولیا زمین پر تھے سب نے اس آواز کو سُنا اور گردنیں جھکادیں بلکہ بعض نے گردن جھکا کر یہ بھی کہا بل علی راسی وعینی یہ ویسا ہی قصہ ہوا جیسا کہ حضرت خلیل اللہ کی آواز کو حق تعالیٰ نے تمام عالم میں پہونچا دیا تھا حتی کہ ارواح نے اپنے باپ ماں کے پشت اور رحم میں سے جواب دیا لبیک لبیک اسیطرح حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی وہ آواز خلیل اللہی آواز تھی جسکو تمام عالم کے اولیاء وقت نے سنا خدا تعالیٰ نے سب کو آواز پہونچادی۔

پس جب اولیاء سے قطع تعلق کا یہ اثر ہے تو حضور سے قطع تعلق کرنیوالا تو کیونکر کمالات سے کورا نہ رہجائیگا مگر اتنا فرق ہے کہ اولیاء سے تو قطع تعلق مطلقاً سلب کمالات کا سبب نہیں جب گستاخی کے ساتھ قطع تعلق کرے اُسوقت وبال پڑتا ہے اور حضور سے تعلق قطع کرنا مطلقاً سلب فیض وکمالات کا سبب ہے اگرچہ گستاخی بھی نہ کرے یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو محض توحید کو نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں تصدیق رسالت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ افسوس مسلمانوں میں بھی بعض لوگ ایسے پیدا ہوگئے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف توحید کی تعلیم کے لئے آئے تھے تو جو شخص توحید کا اقرار کرلے وہ نجات پالیگا گو حضور کی رسالت کا اقرار نہ کرے یاد رکھو یہ قول بالکل باطل ہے نجات بدون تصدیق رسالت کے ہرگز نہیں ہوسکتی جسطرح توحید رکن ایمان ہے اسیطرح تصدیق

رسالت بھی رکن ایمان ہے۔ ان لوگوں نے اس آیت سے دھوکہ دینا چاہا ہے۔
ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من آمن باللہ
..... والیوم الآخر وعمل صالحا فلھم اجرھم الآیۃ۔ **ترجمہ** جو لوگ
ایمان لائے اور جو یہودی اور نصرانی ہیں اور جو صابی ہیں (ان میں سے) جو کوئی بھی اللہ پر
اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے اور اچھے کام کرے (قانون شریعت کے موافق)
ایسوں کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس حق الخدمت بھی ہے اور (وہاں) ان پر کسیطرح
کا اندیشہ بھی نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ اس آیت میں تصدیق رسالت کا ذکر
(ظاہراً) نہیں ہے بلکہ سب فرقوں کی نجات کا مدار صرف ایمان باللہ وایمان بالآخرۃ کو قرار
دیا گیا ہے اس سے بعض لوگوں نے اس غلطی میں ڈالنا چاہا کہ نجات کے لئے تصدیق رسالت
محمدیہ کی ضرورت نہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ایمان باللہ بغیر تصدیق رسالت محمدیہ کے
متحقق ہی نہیں ہو سکتا پس یہ کہنا غلط ہے کہ یہاں تصدیق رسالت کا ذکر نہیں تفصیل اس
جواب کی وہ ہے جو میں نے ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب سے کہلا کر بھیجی تھی وہ بندہ خدا بھی اسی
غلطی میں مبتلا تھے ویسے بڑے نیک پابند صوم وصلوٰۃ تھے مگر شیطان نے اُن کے دل
میں یہ وسوسہ ڈال رکھا تھا کہ نجات کے لئے صرف ایمان باللہ کافی ہے تصدیق رسالت کی
ضرورت نہیں۔ واقعی بدون علم دین کے کامل اصلاح نہیں ہوتی عقائد بھی درست نہیں
ہوتے افسوس آج کل لوگوں نے انگریزی پڑھنے کو بھی علم سمجھ لیا ہے بس وہ ایسا ہی علم ہے
جس سے روپیہ پیسہ معلوم ہو جاتا ہے خدا اس سے معلوم نہیں ہو سکتا میں نے اُن ڈپٹی کلکٹر صاحب
سے کہلا کر بھیجا کہ ایمان باللہ کے صرف یہی معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو موجود مان لے کیونکہ
وجود کا انکار تو مشرکین بھی نہیں کرتے بلکہ ایمان باللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو صفات
کمال سے متصف اور صفات نقص سے منزہ سمجھے اب میں کہتا ہوں کہ صفات کمال میں سے
ایک صفت صدق بھی ہے جس کی ساتھ خدا تعالیٰ کو موصوف ماننا توحید کے لئے ضروری ہے اور صفات
نقص میں سے ایک صفت کذب بھی ہے جس سے خدا تعالیٰ کو منزہ سمجھنا لازم ہے ایک مقدمہ تو یہ
ہوا دوسرا مقدمہ یہ کہ حق تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں محمد رسول اللہ اور قرآن کا کلام الٰہی

ہونا دلائل عقلیہ سے ثابت ہے تو اس خبر کو بھی سچا سمجھنا واجب ہے پس جو آپکو رسول نہیں مانتا وہ خدا تعالیٰ کو کاذب کہتا ہے جب کاذب کہا تو پھر اللہ پر کہاں ایمان لایا پس ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا بدون تصدیق رسالت کے ممکن نہیں۔ میں نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ جواب کے لئے دس سال کی مہلت ہے۔

اس دلیل کا اُن کے پاس کچھ جواب نہ تھا پھر خدا نے کیا اُنکی اصلاح ہو گئی بعد میں مجھ سے ملے بھی تھے اُسوقت اُن کا شبہ رفع ہو چکا تھا بیچاروں کا خاتمہ اچھا ہوا۔ پس خوب سمجھ لو کہ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے نجات ہرگز نہیں ہو سکتی ایک فلسفی کی بابت ایک شخص نے خواب دیکھا تھا میں اُس فلسفی کا نام نبلانا نہیں چاہتا خواہ مخواہ ایک مسلمان سے خواب کی بنا پر کفر کی بدگمانی ہو جائے گی مگر اُس شخص کے خیالات تھے فلسفیانہ گو ظاہر میں مسلمان کہلاتا تھا خواب یہ تھا کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو اُسنے حضور سے دریافت کیا کہ حضور فلاں شخص کا کیا حال ہوا آپ نے فرمایا کہ وہ بدون میرے توسط کے جنت میں جانا چاہتا تھا اور جنت کے قریب بھی پہونچ گیا تھا مگر میں نے ہاتھ پکڑ کر جہنم میں پھینکدیا کہ دور ہو کمبخت جنت میں بغیر میرے تعلق کے کوئی نہیں جا سکتا غرض آپ اُمت کے لئے واسطہ فی العروض ہیں تمام کمالات وفیوض میں بدون آپ کی واسطے کے کوئی شخص بھی کمالات بلکہ ایمان سے بھی موصوف نہیں ہو سکتا اسیکو حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا | توان رفت جز بر پئے مصطفا
خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یہ تو اُنکے واسطے ہیں جو بدون حضور کے تعلق کے اس راستہ کو قطع کرنا چاہیں اور تعلق والوں کے واسطے انشاء اللہ یہ ہوگا ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو | کہ دارد چنیں سید پیشرو

اور یہ ہوگا ؎

طوبیٰ لنا معشر الاسلام ان لنا | من العنایۃ رکنا غیر منھدم

ہمارے پاس خدا کے فضل سے ایک مضبوط رکن ہے انشاء اللہ ہم بے کھٹکے پار ہو جائیں گے اور جن کے پاس یہ واسطہ نہیں ہے اُن کی محرومی پر افسوس ہے۔

پس یہ مسئلہ خوب محقق ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لئے واسطہ فی العروض ہیں اور اُمتی کے اندر اُسی وقت تک کچھ فیوض و برکات ہیں جبتک حضور سے تعلق توسط ہے ورنہ کچھ بھی نہیں رہا۔ باقی انبیاء علیہم السلام کے لئے آپ واسطہ فی الثبوت ہیں کہ وہ آپ سے فیوض حاصل کر کے استقلال کی ایسی شان اپنے اندر رکھتے ہیں جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو کر مستقل ہو جاتا ہے اور بظاہر اس کا مقتضا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو آپ سے تعلق رکھنے کی ضرورت نہو وہ آپ سے تعلق قطع کر کے بھی منور و منور رہ سکتے ہیں مگر ایک دوسری دلیل سے اُن کے لئے بھی آپ سے تعلق رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ حق تعالی فرماتے ہیں۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ یعنی حق تعالی نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا ہے کہ اگر ہم تمکو کتاب و حکمت دیں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری کتاب کا مصدق ہو تو تم اُس کی تصدیق و نصرت ضرور کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو مفسر القرآن ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے دعا بھی فرمائی ہے اللھم علمہ الکتاب اس لئے اُن کی تفسیر حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ عہد جملہ انبیاء سے حضور کے متعلق لیا گیا ہے کہ جو نبی حضور کا زمانہ پائے اُس کے ذمہ ضروری ہے کہ آپ کی تصدیق و نصرت کرے پھر یہ بات ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے بھی آپکا زمانہ نہیں پایا تو یہ عہد اُن سے کیوں لیا گیا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر وقت اور ہر زمانہ میں حضور کے اتباع و تصدیق کے لئے تیار رہنا چاہئے خواہ وہ آپ کا زمانہ پائیں یا نہ پائیں مگر اپنی طرف سے ہر وقت اس کے لئے آمادہ رہیں اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بھی حضور سے کسی وقت اپنے تعلق کو قطع نہیں کرسکتے۔ دوسرے اگر یہ عہد بھی نہ لیا جاتا تب بھی انبیاء علیہم السلام حضور سے تعلق قطع نہیں

کر سکتے تھے کیونکہ مسئلہ شرعیہ اصولیہ ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے
ان لوگوں کا شکر نہیں کیا جو واسطۂ نعمت ہیں اُس نے خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں
کیا۔ اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کے لئے واسطہ
فی الکمالات ہیں گو فی النبوت ہی سہی تو اس قاعدہ کے موافق انبیاء علیہم السلام حضور سے
کبھی تعلق قطع نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے شکر الٰہی میں نقصان لازم آتا ہے جس سے
وہ حضرات مبرا ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر آپ کے تعلق کا وجوب بالقوہ تو اس حدیث
سے ظاہر ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی اور بالقول اس سے کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول الی الارض کے وجوباً آپ کا اتباع فرماویں گے اور کسیکو اتبع ملۃ
ابراہیم حنیفا سے اسکے خلاف کا شبہ نہو کیونکہ ملت ابراہیم خود آپ کی ملت کا بوجہ تناسب
لقب ہی جس میں حکمت ترغیب ہے تمام اہل ملل کی اس ملت کے اختیار کرنے پر کیونکہ
ابراہیم علیہ السلام کی جلالت متفق علیہ تھی اسلئے اتبع ابراہیم نہیں فرمایا اسیطرح بعد
ذکر انبیاء علیہم السلام کے حضور کو خطاب کیا گیا ہے فبھداھم اقتدہ یوں نہیں فرمایا
فبھم اقتدہ پس ھداھم سے مراد ھدی اللہ ہے۔ اسکو ملابست کے سبب ھداھم فرمادیا
یہ سب تمہید تھی مقصود کی اور خلاف اُمید تمہید میں زیادہ وقت گذر گیا اب میں مقصود
کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مقصود یہ تھا کہ حضور کی معراج سے کیا سبق ہمکو حاصل کرنا چاہیے
تو سمجھئے کہ معراج کی حقیقت کیا ہے لوگ معراج اسکو سمجھتے ہیں کہ حضور زمین سے آسمان پر
تشریف لے گئے تو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ عروج آسمانی حقیقت معراج نہیں بلکہ صورت
معراج ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ صورت آپ کے کمالات میں سے نہیں۔ بلکہ مطلب یہ
ہے کہ حقیقت معراج اسی صورت پر موقوف نہیں بلکہ اُس کا تحقق دوسری صورتوں سے بھی
ہو سکتا تھا گو جو صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متحقق ہوئی ہے وہ سب سے افضل
و اکمل ہے اور آپ معراج کی حقیقت و صورت دونوں کے جامع ہیں اور یہاں سے اُن
لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج صوری یعنی عروج آسمانی
کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس معراج کو منامی یا کشفی بتلاتے ہیں سو یہ بالکل نصوص کے خلاف ہے

بلکہ احادیث مشہورہ سے آپکا آسمانوں پر تشریف لیجانا ثابت ہے اور بیت المقدس تک
تشریف لیجانا تو نص قرآنی سے ثابت ہے جس کا انکار بلا تاویل کفر ہے اور بتاویل بدعت
ان منکرین معراج آسمانی کے پاس کچھ دلائل تو عقلی ہیں کچھ نقلی۔ عقلی دلائل تو یہ ہیں کہ اس سے
افلاک میں خرق والتیام لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ کے پاس
خرق والتیام کے امتناع پر کوئی دلیل نہیں اور جب وہ دلائل پیش کریں گے اُس وقت
انشاء اللہ ہم اُن سب کا لغو و باطل ہونا ظاہر کردیں گے چنانچہ متکلمین اس سے فارغ ہو چکے
ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح حضور کی معراج کا قصہ احادیث میں آتا ہے کہ
آپ اتنے جلدی سیر سماوات سے فارغ ہوکر واپس آگئے کہ صبح بھی نہونے پائی تھی یہ
محالات سے ہے کہ مکہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان تک
آپ سیر کر آئیں اور یہ سارا قصہ ایک رات کے تھوڑے سے حصہ میں ہو جائے۔ ہم کہتے ہیں
کہ اس میں استحالہ کی کیا بات ہے ہاں استبعاد ہو سکتا ہے سو وہ بھی بطور الزام کے اس طرح مدفوع
ہے کہ تمہارے نزدیک زمانہ حرکت فلک الافلاک کا نام ہے چنانچہ رات اور دن کا
آنا طلوع و غروب کا ہونا یہ سب حرکت فلک سے مرتبط ہے اگر حرکت فلک موقوف
ہو جائے تو جو وقت موجود ہوگا وہی رہیگا اگر رات موجود ہوگی رات ہی رہے گی دن موجود ہوگا
دن ہی رہیگا تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے اُس رات حرکت فلک کو تھوڑی دیر کے لئے
موقوف کردیا ہو اور اس میں کچھ تعجب نہیں معزز مہمان کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے دنیا میں
بھی یہ قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ کی سواری نکلتی ہے تو سڑک پر دوسروں کا چلنا بند کردیا
جاتا ہے ہم جب حیدرآباد گئے تو ایک دن دیکھا کہ پولیس کے سپاہی لوگوں کو سڑک پر چلنے
سے روک رہے ہیں اُس وقت سڑک پر سناٹا چھایا ہوا تھا معلوم ہوا کہ نواب صاحب کی
سواری نکلنے والی ہے اسیطرح حق تعالیٰ نے حضور کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اگر آسمان اور چاند
سورج سب کی حرکت کو اُس رات کچھ دیر کے لئے بند کردیا ہو کہ جو چیز جہاں ہے وہیں رہے
پس آفتاب جس جگہ تھا اسی جگہ رہا اور ستارے جہاں تھے وہیں رہے کوئی بھی اپنی جگہ
سے ہلنے نہ پایا اس میں کیا استبعاد ہے جب حضور معراج سے فارغ ہوگئے۔ پھر فلک کو حرکت کی

اجازت ہو گئی تو اب ظاہر ہے کہ حرکتِ فلک جس جگہ سے موقوف ہوئی تھی وہیں سے شروع ہو گی تو آپ کی سیر میں چاہے کتنا ہی وقت صرف ہوا ہو مگر دنیا والوں کے اعتبار سے سارا قصہ ایک ہی رات میں ہوا کیونکہ حرکتِ زمانہ اس وقت موقوف ہو چکی تھی اب اگر کوئی دوام حرکتِ فلک کا دعویٰ کرے تو وہ اس کے لزوم کو ثابت کرے انشاء اللہ ایک دلیل بھی قائم نہ کر سکیگا۔ دوسرا عاشقانہ جواب اس اشکال کا مولانا نظامی نے دیا ہے۔

تنِ او کہ صافی تر از جان ماست ۔۔۔ اگر آمد و شد بیکدم رواست

یعنی یہ بات سب کو معلوم ہے کہ خیال انسانی ذرا سی دیر میں بہت دُور پہونچ جاتا ہے چنانچہ آپ اسیوقت عرش کا تصور کیجئے تو ایک منٹ سے بھی کم میں عرش پر خیال پہونچ جائیگا۔ خیال کی حرکت بہت سریع ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ خیال روح کی ایک قوت ہے اور روح نہایت لطیف چیز ہے وہ مادیات کی طرح کثیف نہیں اس لئے اُسکی سیر میں کوئی حاجت و مانع نہیں ہوتا تو مولٰنا نظامی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک تو ہمارے خیال سے بھی پاکیزہ تر ہے جب خیال ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے تو آپکا جسم اطہر زمین سے آسمان تک اور وہاں سے عرش تک ذرا سی دیر میں ہو آئے تو اُس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ایک دلیل عقلی فلاسفہ جدید پیش کیا کرتے ہیں کہ ہوا کے طبقہ سے اوپر جو خلا ہے اُس میں ہوا نہ ہونے کے سبب کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا تو آپ اُس میں سے اگر گذرتے زندہ کیسے رہتے مگر اونہوں نے یہ نہ دیکھا کہ بعد تسلیم اس استلزام کے یہ اس وقت ہے جب متنفس کو اوس میں کچھ مکث بھی ہو چنانچہ آگ کے اندر سے اگر جلدی سے ہی ہاتھ کو نکالا جاوے تو آگ کا اثر نہیں ہوتا۔

پس آپ اگر نہایت سرعت کی ساتھ اوس خلا میں سے گذر جائیں تو وہ عدمِ تنفس میں موثر نہ ہوگا اور دلیل نقلی ان منکرین کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے واللہ ما فقد جسد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلۃ الاسراء کہ بخدا شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مفقود یعنی غائب نہیں ہوا اس کا

جواب بعض لوگوں نے تو یہ دیا ہے کہ حضرت عائشہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کہاں تھیں نیز اُس وقت اُنکی عمر بہت ہی کم تھی شاید چار یا پانچ سال کی ہوں اور اگر معراج سنہ ۵ نبوت میں ہوئی ہو جیسا کہ زہری کا قول ہے تو وہ اُسی سال پیدا ہوئی ہونگی ۱۲ جامع اس لئے اجلہ صحابہ کی روایت اس واقعہ میں اُنکی روایت سے مقدم ہے مگر اسکا حاصل بظاہر یہ ہوا کہ حضرت عائشہ نے بے تحقیق ایک بات فرمادی ہم حضرت صدیقہ پر یہ گمان نہیں کر سکتے نہ کسی صاحب ادب کو ایسی جرأت ہو سکتی ہے۔ یہ مانا کہ وہ اُس وقت حضور کے گھر میں موجود نہ تھیں اور کمسن بھی تھیں مگر جو بات وہ فرما رہی ہیں وہ تو عقل وبلوغ کے زمانہ میں اُن سے صادر ہوئی ہے اور ایسے وقت میں وہ بدون تحقیق کے کوئی بات نہیں فرما سکتیں یقیناً تحقیق کے بعد فرما رہی ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے واقعہ کی نسبت فرماتی ہوں کیونکہ معراج میں تعدد ہے تو پھر کچھ بھی مضر نہیں۔

میرے ذہن میں اس کا جو جواب آیا ہے وہ بہت لطیف ہے وہ یہ کہ فقدان کے دو معنی ہیں ایک تو چیز کا اپنی جگہ سے گم ہو جانا ہٹ جانا دوسرے تلاش کرنا چنانچہ دوسرے معنی میں فقدان کا استعمال نص میں بھی آیا ہے قالوا واقبلوا علیہم ماذا تفقدون[عہ] یعنی برادران یوسف علیہ السلام نے متوجہ ہو کر ندا کرنے والوں سے کہا کہ تم لوگ کس چیز کو تلاش کرتے ہو یہاں فقدان کے معنی طلب ہی کے ساتھ زیادہ ظاہر ہیں۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا مطلب صاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک گھر سے غائب نہیں رہے کہ آپ کی تلاش کیجاتی۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ ساری رات میں اپنے گھر سے جدا ہی نہیں ہوئے وہیں رہے تا کہ اس سے معراج منامی یا کشفی

عہ قلت نص البغوی فی تفسیرہ ماذا تفقدون ما الذی ضل عنکم والفقدان ضد الوجدان اھ وکذا نص فی الخازن بان الفقدان ضد الوجود اھ (ص ۲۴۷ ج ۳) وکذا نص فی القاموس فقدہ یفقدہ فقدا وفقدانا وفقودا عدمہ فہو فقید ومفقود اھ (ص ۳۲۰ ج ۱) ولم اجد الفقود بمعنی التفقد بعد ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ۱۲ جامع۔ احقر اشرف علی کے ذہن میں اس حاشیہ کو دیکھ کر ایک تاویل آئی تھی جسکو تتمہ آئندہ میں ظاہر کر دیا گیا ۱۲۔

پر استدلال کیا جاتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ گھر سے جدا تو ہوئے مگر زیادہ دیر نہیں لگی جس میں گھر والوں کو پریشانی ہوئی ہو اور تلاش کی نوبت آئی ہو۔

ف اور اگر فقدان کے وہی معنی لئے جائیں جو متبادر ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شب معراج میں گم نہیں ہوا۔ تب بھی اس سے معراج کا روحانی یا منامی ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور اپنے گھر سے اس رات جدا ہی نہیں ہوئے کیونکہ فقدان فعل متعدی ہے نہ کہ لازم اُسکے معنی غیبت و انفصال کے نہیں بلکہ گم کرنے کے ہیں جس کے لئے ایک کا فاقد اور دوسری کا مفقود ہونا ضرور ہے پس مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات کسی نے گھر سے غائب اور گم نہیں پایا اور یہ درست ہے کیونکہ آپ سب گھر والوں کے ساتھ گھر میں سوئے تھے اور معراج ایسے وقت ہوئی جو کہ عادۃً لوگوں کے گہری نیند سونے کا وقت تھا پھر جاگنے کے وقت سے پہلے آپ واپس تشریف لے آئے بلکہ خود آکر گھر والوں کو نماز صبح کیلئے جگایا تو ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے رات کو جاگ کر حضور کو گھر میں نہ دیکھا ہو اور اتنی بات مفقود ہونے کیلئے ضروری ہے قلت ولعل هذا هو مراد الشيخ فعبره بالتفتيش والا فالفقدان غير التفقد لغة وهو يستدعي فاقدا كما لا يخفى ۱۲ جامع۔ احقر اشرف علی کے ذہن میں پہلا حاشیہ دیکھ کر ہی یہ تاویل آگئی تھی مگر دوسرے عنوان سے پھر یہ دوسرا حاشیہ دیکھا اب اس تاویل کی اوس دوسری عنوان سے ذرا واضح تقریر کرتا ہوں وہ یہ کہ فقدان کے معنی تو گم ہی کرنے کے ہیں مگر اوس کے دو درجے ہیں ایک مطلق گم کرنا اور ایک ایسا گم کرنا جس کے بعد اوس کی تلاش میں لگ جاوے پس پہلا درجہ فقد مطلق ہوا دوسرا درجہ فقد مقید۔

پس اس حدیث میں دوسرا درجہ مراد ہے یعنی آپکا جسد ایسا مفقود نہیں ہوا جس سے تلاش کی نوبت آئی ہو کیونکہ زمانہ فقد کا اتنا قلیل تھا کہ کسی کو اوس فقد کی اطلاع بھی نہیں ہوئی پس متن میں میری عبارت میں ہٹ جانے کو پہلے درجہ پر اور تلاش کرنے کو دوسرے درجہ پر محمول کیا جاوے تو اب معنی لغوی کے خلاف نہیں ہوا اور بنا بر قواعد تصوف یہ بھی ممکن ہے کہ جسم عنصری ملکوت میں پہونچا ہو اور جسم مثالی ناسوت میں رہا ہو اوسکے دیکھتے ہوئے اوسکو جسم عنصری سمجھکر عدم فقد کا حکم کر دیا ہو اور موٹی بات ہے کہ اگر معراج جسد عنصری سے نہ ہوتی تو اتنا انکار اوس پر نہ ہوتا اور اگر غلط فہمی سے ہوتا تو آپ بھی جواب دیدیتے کہ میں جسد عنصری سے دعویٰ نہیں کرتا کہ اوس پر اس قدر استبعاد کیا جاوے ۱۲ احقر ظفر احمد عرض کرتا ہے کہ بعد میں تفسیر تنویر المقیاس میں جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے۔ ماذا تفقدون اور نفقد کی تفسیر

غرض اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ اس جسم سے آسمانوں پر تشریف لے گئے اس کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا اور یقیناً یہ صورت عروج حضور کا بہت بڑا کمال ہے مگر معراج کو ایسی صورت میں منحصر نہ سمجھنا چاہئے اور نہ محض عروج آسمانی کے ساتھ حقیقت معراج کو مخصوص کرنا چاہئے بلکہ اُس کی حقیقت اس عروج کے علاوہ دوسری چیز ہے اور وہ قرب الٰہی ہے جس کی ایک صورت یہ بھی تھی جو حضور کو پیش آئی ہے اور یہ اکمل صورت ہے مگر اس صورت کے علاوہ ایک دوسری صورت سے بھی اس حقیقت کا تحقق ہو سکتا ہے کیونکہ قرب الٰہی جو حقیقت معراج ہے کسی خاص صورت میں منحصر نہیں بس سمجھنا چاہئے کہ قرب الٰہی کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول اور کبھی دونوں طرح مجتمع ہو جاتا ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج عروجی اور نزولی دونوں ہوئی ہیں اس لئے کہ قرب الٰہی جیسا کہ بوقت عروج آپ کو حاصل ہوا ہے نزول کے وقت بھی حاصل تھا بلکہ یہ قرب پہلے سے زیادہ تھا جیسا عنقریب آتا ہے اور بعض انبیاء کو صرف عروجی معراج ہوئی ہے جیسا ادریس علیہ السلام کے متعلق ورفعناہ مکاناً علیاً کی تفسیر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷ ماذا تطلبون اور نطلب کے ساتھ میری نظر سے گذری اور یہ تفسیر بالکل اُس معنی کے مطابق ہے جو حضرت حکیم الامۃ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمائے ہیں کیونکہ طلب کے معنی تلاش کرنے اور ڈھونڈنے ہی کے ہیں اور بظاہر ابن عباس کی یہ تفسیر باللازم ہے کیونکہ فقدان اکثر طلب کو مستلزم ہوتا ہے لہذا ملزوم کی تفسیر لازم سے فرما دی لیکن اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ گاہے فقدان سے طلب و تفتیش بھی مراد ہوا کرتی ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں بھی اس معنی کا احتمال ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے فرمایا ہے واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اور ہر چند کہ تفسیر تنویر المقباس اکثر محدثین کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ اس کے راوی کلبی اور ان کے شاگرد محمد بن مروان سدی صغیر مجروح ہیں مگر سیوطی نے اتقان میں ابن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے لکن قال ابن عدی فی الکامل للکلبی احادیث صالحۃ وخاصۃ عن ابی صالح وھو معروف بالتفسیر ولیس لاحد تفسیر اطول منہ ولا اشبع اھ ص ۱۹۶ ج ۲ جس سے فی الجملہ اس کی تقویت ہوتی ہے دوسرے یہ مسئلہ کوئی احکام کی قبیل سے نہیں جس میں راوی کا مجروح ہونا مضر ہو بلکہ از قبیل نقل لغت ہے جس میں بہت وسعت ہے فافہم واللہ اعلم وانما اطلنا الکلام فی ھذا المقام لیظھر لک نعمۃ اللہ علی جماعتنا وللہ الحمد انتہی لا تقبل اقوال اکابرھا فی تفسیر معانی القرآن الا بعد ظھور مطابقتھا لاقوال السلف وان اکابرھا لا ینکرون لا یراد الاصاغر علیھم اذا کان بالادب لا لاجل الطعن لیظھر لک حسن ذوق حضرۃ ص

حکیم الامۃ فی التفسیر بحیث لا یخطی عن الصواب ولو قال شیئا بغیر مطالعۃ کتاب ۱۲ـ

ہیں بعض علماء نے یہ بیان کیا ہی کہ وہ زندہ دنیا سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے اسیکو ایک عارف نے کہا ہی ؎

بمیرای دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواہی — کہ ادریس از چنین مردن بہشتی گشت پیش از ما

پھر اس کے بعد اونکو نزولی معراج نہیں ہوئی اور جیسا حضرت عیسی علیہ السلام کو اسیطرح معراج ہوئی ہے اور اوس کے بعد ابھی تک نزول نہیں ہوا مگر آخر زمانہ میں نزول ہوگا اور یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی ہے اس کو مولانا رومی نے سمجھا ہی واقعی بڑے محقق ہیں بیان اوس کا یہ ہی کہ مولانا نے مثنوی دفتر سوم میں ایک مقام پر حدیث لا تفضلونی علی یونس بن متی کی تفسیر میں لکھا ہی کہ ؎

گفت پیغمبر کہ معراج مرا — نیست از معراج یونس اجتبا

آن من بالا و آن او بشیب — زانکہ قرب حق برونست از حسیب

قرب نزبائیں ببالا جستن ست — قرب حق از حبس ہستی رستن ست

اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہی کہ حدیث عام ہی جس میں وہ سب امور داخل ہیں جنمیں تفصیل سے وہم تنقیص ہو سکتا ہی پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جن باتوں میں تم کو میری فضیلت اور یونس علیہ السلام کے نقص کا شبہ ہوا اس میں مجکو یونس علیہ السلام پر فضیلت ندو جنمیں قصہ معراج بھی داخل ہے کہ حضور تو ساتوں آسمانوں پر تشریف لیگئے آپ کو اس طرح معراج ہوئی اور یونس علیہ السلام عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہے ظاہر بینو نکو انکی یہ حالت ناقص معلوم ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی یہ حالت ناقص نہ تھی بلکہ یہ یونس علیہ السلام کی معراج تھی جو بصورت نزول واقع ہوئی پس حضور کی معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت ندو یعنی ایسی فضیلت جس سے وہم ان کے نقص کا ہو اور یہ مت سمجھو کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہی یونس علیہ السلام کو نہیں ہوئی ایسا نہیں ہے بلکہ ان کو بھی ہوئی مچھلی کے پیٹ میں ان کا جانا یہ بھی معراج ہی تھی کیونکہ معراج کی حقیقت ہے قرب حق اور وہ دونوں جگہ موجود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب حق اور صورت سے ہوا عروجا بھی و نزولا بھی اور یونس علیہ السلام کو قرب حق اور صورت سے حاصل ہوا مگر

وہ دریا میں غرق ہوئے اور مچھلی کے پیٹ میں رہے جس کا قصہ مشہور ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور فرمایا کہ ایمان لے آؤ ورنہ اتنی مدت میں عذاب نازل ہوگا جب وہ مدت قریب آئی تو آپ اس خیال سے کہ یہاں عذاب نازل ہوگا وہاں سے چل پڑے مگر حق تعالےٰ سے صریح اذن نہیں لیا اور یہاں یہ قصہ ہوا کہ جب وہ تاریخ آئی عذاب کی آمد شروع ہوئی یہ آثار دیکھکر لوگ گھبرائے اور ایمان پر آمادہ ہوئے اور یونس علیہ السلام کو تلاش کیا کہ اُنکے ہاتھ پر ایمان لاویں یہ نہ ملے تو اونھوں نے کہا کہ اگر یونس علیہ السلام نہیں ہیں تو کیا ہوا اور حق تعالیٰ پر ایمان لانا تو ممکن ہے۔ چنانچہ ایمان لے آئے اور عذاب ٹل گیا یونس علیہ السلام لوگوں سے اُس بستی کا حال پوچھتے رہتے تھے جب کسی نے عذاب کی خبر نہ سُنائی اور پورا واقعہ معلوم نہ ہوا تو آپ کو خیال ہوا کہ اب اگر واپس بستی میں جاؤنگا تو وہ لوگ جھٹلائینگے کہ تمہارے قول کے موافق عذاب تو نہ آیا اس شرمندگی کی وجہ سے واپس ہوئے بڑھے چلے گئے رستہ میں دریا پڑا اور آپ کشتی میں سوار ہوئے چلتے چلتے وہ کشتی چکر کھانے لگی۔ ملاح نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا سوار ہے اُسوقت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں بھائی میں اپنے آقا سے بدون پوچھے بھاگ آیا ہوں مجھے دریا میں ڈالدو لوگوں نے اُن کی صورت سے نیکی اور بزرگی کے آثار دیکھکر اس کلام میں شبہ کیا بالآخر قرعہ اندازی ہوئی جس میں یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فساھم فکان من المدحضین یونس علیہ السلام نے قرعہ اندازی کی تو وہی ہارے پس لوگوں نے اُن کو دریا میں ڈالدیا وہاں ایک بہت بڑی مچھلی تھی اُسنے بحکم حق آپ کو نگل لیا اور قعر دریا میں پہونچی چالیس دن اُس کے پیٹ میں رہے مگر ہضم نہیں ہوئے کہ حق تعالیٰ اپنے حفاظت فرمائی مولانا اُس کو معراج قرار دیکر فرماتے ہیں ؎

قرب نز پستی ببالا رفتن است   قرب حق از حبس ہستی رستن است

یعنی حق تعالیٰ کے قرب کی حقیقت مکانی ارتفاع نہیں بلکہ یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کی قید سے چھوٹ جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ زہر کھالے یہ تو بڑا سستا قرب ہے جو ایک پیسہ کے سنکھئے سے حاصل ہو سکتا ہے سو یہ قید ہستی سے چھوٹنا نہیں بلکہ اس میں تو قید ہستی کی موجود ہوگی

دلیل ہے کیونکہ خودکشی حرام ہے اور خلاف مرضی حق پر پیش قدمی کرنا قید ہستی یعنی دعویٰ وزعم استقلال ہستی کی علامت ہی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعویٰ ہستی کو چھوڑ دے اپنے کمالات سے نظر اُٹھ جائے اپنے ارادہ کو ارادۂ حق میں فنا کردے بس یہی قرب کی حقیقت جس کا حاصل یہ ہی کہ اپنے اوپر نظر نہ رہے حاصل یہ کہ تم خود ہی قرب حق سے اپنے حاجب ہو اسکو مرتفع کرو اسیکو عارف فرماتے ہیں ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست — تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

اور اسیکو حضرت شاہ بو علی قلندرؒ فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم — گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

بلکہ ہمہ تن مشاہدہ حق میں فنا ہو جائے کہ نہ اپنے کان کو اپنا کان سمجھے نہ اپنی آنکھ کو اپنی آنکھ سمجھے بس وہ حال ہو جائے بی یبصر وبی یسمع۔ حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا یا رب دلنی الی اقرب الطرق الیک ای اللہ مجھے اپنے تک پہونچنے کا نزدیکتر راستہ بتلا دیجئے جواب میں ارشاد ہوا یا ابا یزید دع نفسک وتعال یعنی اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ۔ یعنی اتباع نفس کو سبحان اللہ کیا نزدیک راستہ تبلایا گیا ہی اور یہی مراد ہی صوفیہ کے اس قول میں کہ مرید کو چاہئے کہ شیخ کے ہاتھ میں اپنے آپکو ایسا سپرد کردے کالمیت فی ید الغسال یعنی جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہی کہ وہ جس طرف چاہتا ہی اسکو پلٹ لیتا ہے وہ کچھ نہیں کہتا اسیطرح مرید کو ہونا چاہئے کہ شیخ کے ارادہ میں اپنی رائے و اختیار اور قصد کو فنا کردے وہ اگر جگادے تو جاگے سُلادے تو سو رہے نفلوں کا حکم کرے تو نفلیں پڑھے منع کردے تو چھوڑ دے بشرطیکہ وہ خلاف شرع کا امر نہ کرے اگر شیخ کامل ہے تو وہ ایسا کرتے ہی کیوں لگا اور اگر ناقص ہے تو ایسے شیخ ہی کو سلام کرنا چاہئے جب مرید شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو اسطرح سپرد کردیتا ہے تو پھر اُسکو خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی یہی تسلیم نصیب ہو جائیگی اور ایک وہ وقت آئیگا کہ یہ آسانی کے ساتھ اپنے ارادہ و اختیار کو ارادۂ خداوندی میں فنا کردیگا یہی ہی قرب حق اور یہی قرب حق حقیقت ہی معراج کی اور ظاہر ہے کہ قرب حق تمام انبیاء علیہم السلام کو حاصل تھا

توحقیقی معراج سب کو حاصل تھی گو بعض کو صوری نہوئی ہو اور ادریس علیہ السلام کو تو ایک قول پر صوری بھی ہوئی ہے اور مولانا رومی کی تحقیق کے موافق یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی ہے پس انکو اس طرح قرب ہوا کہ اوپر سے نیچے بلائے گئے اور حضور کو اسطرح قرب ہوا کہ نیچے سے اوپر بلائے گئے اور یہ ضروری نہیں کہ معراج بصورت نزول ناقص ہوا کرے تاکہ اس بنا پر معراج یونسی کو معراج محمدی سے مفضول کہا جاوے گو دوسری دلائل سے آپ کی معراج سب معراجوں سے افضل ہے مگر محض نزول کو ناقص ماننا اسکی بنا نہیں ہے بلکہ صوفیہ کا تو مقولہ یہ ہے کہ عروج سے نزول افضل ہے۔

چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج میں ایک تو آپکی حالت عروج تھی جبکہ آپ نیچے سے اوپر کو جا رہے تھے اور ایک حالت نزول تھی جبکہ آپ اوپر سے نیچے کو آرہے تھے صوفیہ فرماتے ہیں کہ حضور کی نزولی حالت آپکی پہلی حالت سے اکمل تھی اور اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں یونس علیہ السلام کے نزول کو حضور کے عروج پر ترجیح دیرہا ہوں ہرگز نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کو جو کبھی نزول اور کبھی عروج ہوا ہے تو ان دونوں میں آپ کے عروج سے آپکا نزول افضل تھا باقی آپ کا عروج دوسرے دلائل سے ایسا اکمل ہے کہ وہ دوسروں کی نزول سے بھی افضل ہے مگر اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ نزول فی نفسہٖ نقص نہیں۔

غرض حضور کی معراج عروجی تو کامل ہے اور آپ کی معراج نزولی اکمل ہے سو ان میں فرق کامل اکمل کا ہے ناقص کامل کا نہیں کیونکہ آپ کی جو حالت بھی ہے وہ کمال سے خالی نہیں گو بعض حالتیں بعض سے زیادہ کامل ہوں مگر ناقص کوئی نہیں ہے اور آپکی معراج نزولی کا معراج عروجی سے افضل ہونا صرف صوفیہ کے قول ہی سے ثابت نہیں بلکہ اسپر دلائل موجود ہیں ایک دلیل تو یہ ہے کہ معراج کی غایت حق تعالیٰ نے رویت آیات بیان فرمائی ہے چنانچہ سورۂ نجم میں تو فرمایا ہے لقد رائ من آیات ربه الکبری اور سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے لنریه من آیاتنا اور ظاہر ہے کہ حضور کو آیات دکھلانے سے دو فائدے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ آپکی معرفت زیادہ ہو دوسرے یہ کہ آپ خود دیکھکر دوسروں کو بتلادیں۔

خلاصہ یہ کہ معراج سے دو مقصود تھے ایک یہ کہ رویت آیات وازدیاد علوم سے آپکی

تکمیل ہو دوسرے یہ کہ اُن علوم سے آپ دوسروں کی تکمیل کریں پہلا فائدہ لازمی ہے اور یہ دوسرا فائدہ متعدی ہے اور ظاہر ہے کہ جو وقت فائدہ متعدیہ کے ظہور کا ہوگا وہ فائدہ لازمیہ کے وقت سے افضل ہوگا کیونکہ بعثتِ رسول سے اصل مقصود افادہ خلائق ہی ہے۔ نیز دوسروں کی تکمیل سے خود رسول کے درجات میں بھی ترقی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ فائدہ متعدیہ کا ظہور بعد نزول کے ہوا تو نزول کا عروج سے افضل ہونا ثابت ہوگیا۔ دوسری دلیل یہ آیت ہے وَالآخرۃ خیرلک من الاولی اُس کا بیان یہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ دنوں نزول وحی میں توقف ہوگیا اور کفار نے طعن کیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رنج وغم کا اثر ہوا اور آپ پر حالت قبض طاری ہوگئی تو بعد میں حق تعالیٰ نے آپکی تسلی فرمائی اور سورہ اضحیٰ نازل ہوئی جس میں اول اُن آیات کی قسم کھائی گئی ہے جنکو اُس حالت سے خاص مناسبت ہے فرماتے ہیں والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ماودعک ربک وما قلیٰ قسم ہے دن کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑلے اس جگہ رات اور دن کی قسم بہت ہی مناسب ہے کیونکہ دن مشابہ ہے حالت بسط کے اور رات مشابہ ہے حالت قبض کے وجہ تشبیہ ایک تو یہ ہے کہ حالت بسط میں انوار کا توارد ہوتا ہے اور دن بھی محل نور ہے اور حالت قبض میں وہ انوار نہیں رہتے تو وہ رات کے مشابہ ہے دوسری یہ کہ جس طرح دن میں کاروبار زیادہ ہوتی ہیں اسی طرح حالت بسط میں سالک سے کام زیادہ ہوتا ہے اور حالتِ قبض میں کسی کام کو جی نہیں چاہتا نہ نماز میں دل لگتا ہے نہ ذکر میں نہ تلاوت میں تو قبض میں کام کم ہوجاتا ہے وہ رات کے مشابہ ہے کہ اُس میں بھی کاروبار بند ہوجاتے ہیں۔ حقتعالیٰ نے اس جگہ رات اور دن کی قسم سے مقام کی یعنی جواب قسم ماودعک ربک وما قلیٰ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ کی حقیقت بتلادی جسکا حاصل یہ ہے کہ سالک پر ان دونوں حالتوں کا آنا ایسا ہی جیسے لیل و نہار کا تعاقب پس جس طرح دن کے بعد..... رات آجانا غیر مقبول ہونے کی علامت نہیں اسی طرح بسط کے بعد کہ تواتر وحی ہے قبض کا آنا کہ توقف وحی ہے غیر مقبول ہونیکی دلیل نہیں بلکہ جسطرح ہم نے عالم میں لیل و نہار کا اختلاف حکمت کیلئے رکھا ہے یونہی سالک پر بسط و قبض کا تعاقب حکمت کے لئے مقرر کیا ہے

پس قبض سے پریشان نہونا چاہیئے نیز اس میں قبض کی ایک حکمت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جس طرح دن میں اگرچہ کاروبار زیادہ ہوتا ہے مگر مخلوق کی راحت و آرام کے واسطے رات کا آنا بھی ضروری ہے اگر رات نہ آوے تو کاروبار کا تعب زائل نہو سکیگا راحت و آرام کے لئے دن موضوع نہیں اس کے واسطے رات ہی کا وقت مناسب ہے اسیطرح گو بسط میں سالک سے کام زیادہ ہوتا ہے مگر اوس کام کے دوام کے لئے قبض کی بھی ضرورت ہے اگر ہمیشہ بسط ہی رہے تو ایک نہ ایک دن کام کرتے کرتے اکتا جائیگا۔ اسلئے ہم قبض کی حالت مسلط کر دیتے ہیں تاکہ یہ زیادہ کام نکرے تھوڑے ہی پر اکتفا کرے اور قدرے آرام ملجائے پھر قبض رفع ہونے کے بعد جو بسط آئیگا تو اسکو پہلے سے زیادہ نشاط عمل میں ہوگا اسیطرح پر قبض و بسط کے تعاقب سے یہ ہمیشہ کام کرتا رہے گا اسیکو عارف فرماتے ہیں ؎

از دست ہجر یار شکایت نمیکنم ۔۔۔ گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور

اس معنی خیز قسم کے بعد جواب ارشاد فرماتے ہیں ما ودعک ربک وما قلی آپکے پروردگار نے آپکو چھوڑا اور نہ وہ آپکی ناراض ہے آپ بفکر رہیں۔ اس میں تسلی تو ہوگئی مگر یہاں ایک شبہ آپکو ہوسکتا تھا وہ یہ کہ گو قبض و بسط لیل و نہار کی طرح تعاقب ہیں اور قبض سے مجھے کچھ تنزل نہیں ہوا مگر بظاہر بسط اس سے افضل ہے کیونکہ اوفق للطبع ہے اس میں کام بھی زیادہ ہوتا ہے توجہ بھی اوس میں عالم بالا کی طرف زیادہ رہتی ہے تو بسط میں ترقی زیادہ ہوتی ہوگی گو قبض میں بھی خود قبض کے سبب سے تنزل نہوتا ہو مگر ترقی بھی تو بسط کی برابر نہیں ہوتی ہوگی آگے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں وللآخرۃ خیر لک من الاولی یعنی کل حالۃ آخرۃ لک خیر من الحالۃ الاولی یعنی آپکی ہر پچھلی حالت ہر پہلی حالت سے افضل ہے اس لئے زمانہ قبض کی حالت آپکی اوس بسط کی حالت سے افضل تھی جو اوس سے پہلے تھی اور جب وہ پہلی حالت سے افضل تھی تو اس میں بھی ترقی بند نہیں ہوئی بلکہ برابر آپکو ترقی ہو رہی ہے اور یہ جواب ایسا ہی جیساکہ واقعہ تحویل قبلہ میں حق تعالی نے فرمایا ہے کہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم جب بیت المقدس سے پھر کعبہ کیطرف قبلہ محول کیا گیا تو بعض صحابہ کو شبہ ہوا کہ جتنے دنوں ہم نے بیت المقدس

کی طرف نماز پڑھی ہے شاید ان میں ثواب کم ملا ہوگا کیونکہ تحویل سے معلوم ہوا کہ اصلی قبلہ تو کعبہ تھا اور وہ قبلہ عارضی تھا اور اصلی قبلہ میں اور عارضی میں فرق ضرور ہے تو جو نمازیں عارضی قبلہ کی طرف ہم نے پڑھی ہیں اُن میں کم ثواب ملا ہوگا حق تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب دیا کہ ہم ایسے نہیں ہیں کہ تمہاری طاعات سابقہ کا ثواب کم کردیں یا ضائع کردیں کیونکہ تم نے تو بہرحال ہمارے حکم کی اطاعت کی ہے تمکو تو عارضی و اصلی ہونا معلوم نہ تھا اس لئے ثواب بھی تمکو کم نہیں ملا بلکہ اُن نمازوں میں بھی پورا ہی ثواب ملا ہے اسیطرح حضور کو ارشاد ہے کہ قبض و بسط جب ہماری طرف سے ہے اور آپ کے فعل کو اس میں کچھ دخل نہیں تو آپکو حالت قبض میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے ترقی میں کمی نہیں خصوصاً جبکہ ہمنے آپ کو قل رب زدنی علما کی تعلیم دی ہے اور ہمارا یہ دعا تعلیم کرنا علامتِ اجابت ہے، تو آپکو ہروقت ترقی ہوتی رہتی ہے اور آپکی ہر پچھلی حالت پہلی حالت سے افضل ہوتی ہے پس جس بسط کے بعد قبض آیا ہے یہ قبض پہلے بسط سے افضل ہے اور اس قبض کے بعد جو بسط آئیگا وہ اس قبض سے افضل ہوگا۔ اور حضور کی تو بڑی شان ہے حضرات صوفیہ نے ہر عارف کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ عارف کی ہر حالت آئندہ حالت گذشتہ سے افضل ہوتی ہے کیونکہ وہ ہردم ترقی کرتا رہتا ہے اسیکو فرماتے ہیں ؎

سیر زاہد در مہے یکسالہ راہ ۔ سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

اور اسیکو ایک شوخ مزاج صوفی نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

بیزارم ازاں کہنہ خدائے کہ تو داری ہر روز مرا تازہ خدائے دگری ہست

یہ عنوان ظاہر میں بہت موحش ہے مگر مطلب معلوم کرنے کے بعد استبعاد نہ رہے گا بات یہ ہے کہ ہر شخص کا حق تعالیٰ کے متعلق کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہوتا ہے گو حق تعالیٰ ہماری خیالات سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ ہمکو جب تصور ہوتا ہے تو کسی خاص کیفیت کیساتھ ہوتا ہے اب سمجھئے کہ غیر عارف کو تو چونکہ ترقی معرفت میں ہوتی نہیں اسلئے جو خیال اُسنے حق تعالیٰ کے متعلق ایک دفعہ قائم کرلیا ہے ہمیشہ بس وہی خیال رہتا ہے کہ حق تعالیٰ ایسے ہونگے اس طرح ہوں گے اسیکو شعر میں کہنہ خدا کہا ہے اور عارف کو

چونکہ ہمیشہ ترقی ہوتی اور تجلی الٰہی قلب میں تازہ ہوتی رہتی ہے اور روزانہ معرفت بڑھتی جاتی ہے اس لئے جو خیال اسکو حق تعالیٰ کے متعلق آج تھا وہ کل نہ رہیگا اور جو کل ہوگا وہ اسکے بعد نہ رہیگا وہ ہمیشہ اپنے گزشتہ خیالات سے توبہ کرتا رہتا ہے کیونکہ ہر وقت حقتعالیٰ کی عظمت اس شان سے منکشف ہوتی ہے کہ پہلا خیال اُسکے سامنے غلط معلوم ہوتا ہے اُسیکو ان حضرت نے تازہ خدا کہا ہے یعنی تازہ تجلی معرفت خدا۔ اب مطلب تو صاف ہوگیا مگر عنوان کے موحش ہونے میں شبہ نہیں۔ لیکن ان لوگوں کو اپنے غلبۂ حال میں اس کی پروا نہیں ہوتی کہ کسی کا ایمان رہیگا یا جائیگا۔ یا ہمارے اوپر کفر کے فتوے لگیں گے۔ غرض جب عارف کو ہر دم ترقی ہوتی رہتی ہے تو اسکو قبض سے پریشان نہونا چاہئے بلکہ اسکو حالت نزول پر محمول کرنا چاہئے اور یہ سمجھ لے کہ یہ نزول پہلے عروج سے افضل ہے اور اس کے بعد جو عروج ہوگا یعنی بسط وہ اس نزول سے افضل ہوگا۔ تو اب واقعہ معراج سے جو سبق ہمکو حاصل ہوا وہ دو باتیں ہیں ایک یہ کہ معراج کی حقیقت قرب الٰہی ہے اور وہ سب انبیاء کو حاصل ہے تو یہ نہ کہنا چاہئے کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے اور کسی نبی کو نہیں ہوئی نہیں بلکہ معراج سب کو ہوئی ہے۔ ہاں اجمالاً اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ حضور کی معراج اوروں کی معراج سے افضل واکمل ہے وہ بھی اس طرح سے کہا جاوے جس میں دوسرے انبیاء کی معراج کی تنقیص نہ ہو بلکہ صرف حضور کی افضلیت واکملیت کا بیان ہو اور معراج ہی کی کچھ تخصیص نہیں مطلقاً تمام احوال و مقامات انبیاء میں تفصیلی فضیلت جب تک منصوص نہو بیان نہ کرنا چاہئے جیسا عام لوگوں کی عادت ہے اور غضب ہے کہ بعض مصنفین بھی جنپر معقول کا غلبہ ہے اس مرض میں مبتلا ہیں میرا تو ایسی باتوں سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک مصنف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح فضیلت بیان کی ہے کہ حضور نے تو غار ثور میں صدیق اکبر کو جب وہ کفار کے آجانے سے پریشان ہوئے یوں تسلی دی تھی لا تحزن ان اللہ معنا جس میں اول لا تحزن فرما کر غم کو ہلکا کر دیا پھر اپنی ساتھ معیت حق کو بیان فرمایا جس میں خدا تعالیٰ کے ذکر کو مقدم فرمایا اور معیت میں حضرت صدیق کو بھی شریک فرمایا کہ صیغہ جمع معنا استعمال فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے

ساتھیوں کو جب فرعون اور لشکر فرعون کے آجانے سے پریشانی ہوئی اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس پریشانی کو ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کلا ان معی ربی سیھدین جس میں سب سے پہلے لفظ کلا استعمال فرمایا جو دھمکی کے واسطے موضوع ہے عربی میں لفظ کلا ایسے ہی موقعہ میں استعمال ہوتا ہے جہاں اردو کا کلا بھی استعمال ہوتا ہے گویا کلے پر طمانچہ مار دیا پھر اپنی ساتھ معیت حق کو جو بیان فرمایا تو اپنے ذکر کو خدا تعالیٰ کے ذکر سے مقدم فرمایا یعنے لفظ معی کو ربی سے پہلے ذکر کیا گویا یہ حضرت مصنف سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بولنا سکھاتے ہیں کہ حضرت آپکو خدا کا ذکر اپنے ذکر سے پہلے کرنا چاہیے تھا گویا ان کو آداب کلام بھی نعوذ باللہ معلوم نہ تھے پھر یہ بھی وجہ فضیلت بیان کی کہ موسیٰ علیہ السلام نے معی بصیغہ مفرد فرمایا جس میں معیت الٰہیہ کو اپنی ساتھ خاص کیا قوم کو اپنی ساتھ اس دولت میں شریک نہ کیا مجھے ان مصنف صاحب پر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے قلم سے یہ مضمون نکلا کیونکر بس میں تو یہ کہونگا کہ ؎

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا ست

اول تو ان کو ان جزئیات میں کلام کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی حضور کے فضائل کلیہ منصوصہ کیا کچھ کم ہیں جو جزئیات غیر منصوصہ سے آپکا افضل ہونا ثابت کیا جائے اور اگر ان کو ایسا ہی شوق تھا تو یہ غور کرنا چاہئے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب کون ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخاطب کون کیونکہ بلاغت کا مسئلہ ہے کہ ہر حال اور ہر موقع و محل کے لئے ایک ہی طرز کلام نہیں ہوتا بلکہ ہر موقعہ کے لئے جدا طرز ہوا کرتا ہے ؎

ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقامے دارد

میں بطور احتمال کے کہتا ہوں اور مانع کے لئے بمقابلہ مستدل کے احتمال کافی ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخاطب حضرت صدیق جیسے لوگ ہوتے تو وہ بھی وہی فرماتے جو حضور نے فرمایا اور اگر حضور کے مخاطب وہ لوگ ہوتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخاطب تھے تو حضور بھی وہی فرماتے جو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ کی ساتھ غار ثور میں حضرت صدیق تھے جنکی جان نثاری کی یہ حالت تھی کہ جب حضور غار ثور پر پہونچے ہیں تو حضرت صدیق نے

اپنے چادر یا لنگی کو پھاڑ کر غار کے تمام سوراخ بند کئے تاکہ کوئی موذی جانور نکلکر حضور کو ایذا
نہ دے سارے سوراخ تو بند ہو گئے مگر ایک رہ گیا اُس کے لئے کپڑا نہ رہا تھا اسپر حضرت
صدیق نے اپنا پیر لگا لیا کہ اگر کچھ نکلیگا تو میرے ہی پیر میں کاٹ لے گا حضور تک نہ پہونچ
سکیگا اس حالت میں جو حضرت صدیق کو کفار کے آجانے سے پریشانی ہوئی ظاہر ہے کہ وہ
پریشانی اپنی جان کے خوف سے نہ تھی بلکہ محض حضور کے خیال سے پریشانی ہوئی تھی کہ
ایسا نہو دشمن آپ کو دیکھ پائیں اور حضور کو اذیت پہونچائیں جو شخص اتنا عاشق ہو جسنے
سانپ کے بل میں اپنے پیر رکھدئے جس میں سانپ نے کاٹ بھی لیا تھا اُسکو بھلا حضور
کے ہوتے ہوئے اپنی جان کا خیال ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اُن کو جو کچھ خطرہ تھا وہ محض حضور
کی اذیت کا تھا اور اس خطرہ کا منشا بھی محض یہ تھا ؎

عشق است و ہزار بدگمانی۔

ورنہ حضرت صدیق دولت توکل سے پوری طرح مالامال تھے ایسے شخص کی تسلی کے لئے
وہی کلام مناسب تھا جو حضور نے استعمال فرمایا کہ اول اُن کے غم کو ہلکا کرنے کے لئے لاتحزن
فرمایا پھر معیت حق میں اُنکو بھی شریک کیا اور چونکہ آپ کو حصر مقصود نہ تھا اس لئے موافق
اصل وضع کے ذکر اللہ کو اپنے ذکر سے مقدم فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ
تھے وہ نہ حضرت صدیق کی برابر متوکل تھے نہ ایسے جان نثار تھے کہ ان کو اپنی جان کا خطرہ
بالکل نہ تھا محض موسیٰ علیہ السلام کی اذیت کا خطرہ تھا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اُنکو اپنی جان کا خطرہ
تھا پھر خطرہ ہی نہیں بلکہ اُنہوں نے اُس کو جزم و یقین کے ساتھ ظاہر کیا قال اصحاب
موسیٰ انا لمدرکون جس میں ان اور جملہ اسمیہ اور لام تاکید تین مؤکدات موجود
ہیں یعنی بس ہم تو یقیناً پکڑے گئے حالانکہ بارہا دیکھ چکے تھے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی
فرعون کے مقابلہ میں کس طرح مدد فرمائی اور اس وقت بھی خدا کے حکم سے اور اُسکے
وعدۂ نصر کو سُنکر چلے تھے ان تمام امور کے ہوتے ہوئے اتنی پریشانی کہ اپنے پکڑے جانیکا
ایسا جزم ہو گیا صاف اُن کے غیر متوکل اور غیر کامل الیقین ہونے کی دلیل ہے اس لئے موسیٰ
علیہ السلام نے دھمکا کر فرمایا کلا گویا ایک چپت لگا دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا جس

تاکید سے اُن لوگوں نے اپنے پکڑے جانے کو ظاہر کیا تھا اُس کا جواب ایسی ہی
تاکید سے ہو سکتا تھا جو لفظ کلّا میں ہے پھر چونکہ یہ لوگ بوجہ کامل الیقین نہونے کے
معیت حق سے محروم تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے حصر کے لئے مؤخر کو مقدم کیا۔ اور
مقدم کو مؤخر کیا کیونکہ قاعدہ ہے تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر اور اسی وجہ
سے معی بصیغۂ مفرد فرمایا صیغۂ جمع استعمال نہیں فرمایا مطلب یہ تھا کہ میری ہی ساتھ
میرا پروردگار ہے تم لوگ بوجہ ضعیف الیقین ہونے کے معیت حق سے محروم ہو اب بتلائیے
اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقصود کو ادا فرمانا چاہتے جو موسیٰ علیہ السلام نے ادا فرمایا
کیا اُسوقت بھی آپ لاتحزن ان اللہ معنا ہی فرماتے جو لوگ بلاغت سے کچھ ذوق
رکھتے ہیں وہ کبھی اس کے قائل نہ ہوں گے بلکہ وہ اس کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس مقصود
کے ادا کے لئے حضور بھی وہی طرز اختیار فرماتے جو موسیٰ علیہ السلام نے اختیار فرمایا
لیجئے تفصیلی جزئیات میں کلام ایسا ہوتا ہے کہ اُسکو ایک ادنیٰ طالب علم بھی احتمال
نکالکر باطل کر سکتا ہے اس لئے حضور کے فضائل میں ہمیشہ اجمالی گفتگو کرنا چاہئے
تفصیلی کلام کبھی نہ کرنا چاہئے مثلاً معراج ہی کے بارہ میں اجمالاً یہ کہنے کا مضائقہ نہیں
کہ حضور کی معراج دیگر انبیاء کی معراج سے اکمل و افضل ہے کیونکہ آپ سید الانبیاء ہیں
آپ کو حق تعالیٰ سے جس درجہ قرب ہے وہ سب کے قرب سے بڑھا ہوا ہے اور معراج کی
حقیقت قرب ہی ہے۔ اور تفصیل کر کے یوں مت کہو کہ حضور کی معراج یونس علیہ السلام
کی معراج سے اسلئے افضل ہے کہ آپ نیچے سے اوپر بلائے گئے اور وہ اوپر سے نیچے
بلائے گئے کیونکہ میں بتلا چکا ہوں کہ نزول بنفسہ وجہ نقص نہیں بلکہ نزول تو ہر صاحب
عروج کا اوس کے عروج سے افضل ہوتا ہے گو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یونس
علیہ السلام کا نزول حضور کے عروج سے افضل ہو مگر تاہم یہ تو معلوم ہو گیا کہ نزول فی
نفسہ سبب نقص نہیں اور اگر نزول کو علی الاطلاق نقص کہا جائے تو نعوذ باللہ
آپ حق تعالیٰ کے لئے بھی نقص کو ثابت کرینگے کیوں کہ وہاں بھی نزول
ثابت ہے۔

حدیث میں ہے ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا۔
پس نہ عروج علی الاطلاق افضل ہوا نہ نزول بلکہ جس کو جو عطا ہو جائے وہی افضل ہے
ایک سبق تو یہ ہوا اور اس مقام پر چند شبہات ہیں اول اوپر سے نیچے آنے کو جو معراج
نزولی کہا گیا ہے نہ صرف مکان کے اعتبار سے بلکہ حقیقت نزول کے اعتبار سے مگر اتفاق
سے وہ حقیقت اس صورت کے ساتھ مقرون ہو گئی **دوم** کسی نبی یا ولی کے کسی عروج کو
جو اوس کے کسی نزول سے افضل کہا گیا ہے اس سے اوس کلیہ میں شبہ نہ کیا جاوے
کہ نزول افضل ہوتا ہے کیونکہ عروج کا افضل ہونا باعتبار بعض خصوصیات مقصودہ کے ہوتا ہے
سوم۔ یونس علیہ السلام کا نیچے جانا نزول کہا گیا ہے اور نزول کی افضلیت باعتبار
توجہ الی الخلق للافادہ کے قرار دی گئی ہے سو اوس وقت یہ افادہ کہاں تھا جواب
یہ ہے کہ ایک وجہ نزول کے افضل ہونے کی غلبۂ انکسار و افتقار بھی ہے سو یہ حاصل تھی اور
قبض کا انفع ہونا بسط سے اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے

دوسرا سبق۔ اس واقعہ معراج سے سالکین کو یہ حاصل ہوا کہ وہ جو اپنی حالات
کا فیصلہ خود کر لیا کرتے ہیں یہ اُن کی غلطی ہے مثلاً پہلے ذکر میں جی لگتا تھا خطرات نہ آتی
تھے انوار کی کثرت تھی اس کو وہ افضل حالت سمجھتے ہیں پھر خطرات آنے لگے
انوار میں کمی ہو گئی تو اب سمجھتے ہیں کہ ہم مردود ہو گئے۔ خبر بھی ہے کہ وہ عروج کی حالت
تھی اور یہ نزول کی حالت ہے۔ اور معراج کی حقیقت آپکو معلوم ہو چکی ہے کہ معراج
کبھی عروج سے ہوتی ہے کبھی نزول سے ہوتی ہے اور دونوں حالتیں مقبول ہیں۔
پھر تم نزول کو ادون کیوں سمجھتے ہو بس سالک کی تو یہ حالت ہونا چاہیے ؎

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

عہ ای یتوجہ علی الخلق فسمی توجہہ الی الحوادث نزولا ومقتضاہ ان
یصح اطلاق العروج علی توجہہ تعالی علی ذاتہ وصفاتہ ولعل ذلک
ہو الماخذ لتسمیۃ الصوفیۃ توجہ السالک الی اللہ تعالی وصفاتہ
عروجا وتوجہہ الی الخلق نزولا واللہ اعلم ۱۲ جامع

چاہئے قبض ہو یا بسط ہر حال میں خدا سے راضی رہے اور اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے اگر قبض کسی معصیت کی وجہ سے نہ ہو تو پھر اُس کو نزول پر محمول کرنا چاہئے جو کہ صوفیہ کے نزدیک عروج سے افضل ہے مگر اپنے لئے تجویز اسکو بھی نہ کرے بلکہ جب بسط عطا ہو تو اسی میں خوش رہے۔ حق تعالیٰ نے قبض و بسط و نزول و عروج تمہاری مصلحت کے لئے عطا فرمایا ہے وہی مصلحت کو خوب جانتے ہیں ایک عارف فرماتے ہیں ؎

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است
بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

گل سے صاحب بسط مراد ہے اور عندلیب سے صاحب قبض مطلب یہ ہے کہ سب اُسی کے باغ کے پروردہ ہیں گل بھی اور عندلیب بھی کسی کا خندہ اُنکو پسند ہے اسکو بسط عطا فرما دیا کسی کا نالہ و گریہ پسند ہے اسکو قبض عطا فرما دیا۔ تم کو تجویز کا کوئی حق نہیں ہر حال میں راضی رہنا چاہئے اصل مقصود معیت ہے اور وہ ان سب احوال میں حاصل ہے صرف لون مختلف ہے اسی کو مولانا و ھو معکم اینما کنتم کی تفسیر میں فرماتے ہیں ؎

گر بعلم آئیم ایوان اوست
در بجہل آئیم مازنداں اوست

گر بخواب آئیم مستان ویئیم
در بہ بیداری بدستان ویئیم

اور جہل سے مراد جہل غیر مضر ہے اور بعض دفعہ سالک پر ایسی حالت پیش آتی ہے کہ نہ اُسکا قبض ہونا معلوم ہوتا ہے نہ بسط ہونا اُس میں سالک حیران ہوتا ہے کہ میں اپنی اس حالت کو کیسا سمجھوں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ حالت کیسی ہے مولانا اُسکے متعلق فرماتے ہیں ؎

در تردد ہر کہ او آشفتہ است
حق بگوش او معما گفتہ است

یعنی پریشان نہ ہو محبوب نے تمہارے کان میں معما کہہ دیا ہے جس کا مطلب حل نہ ہونے سے پریشانی ہو رہی ہے کبھی وہ عاشق کے امتحان کے لئے ایسی بات فرما دیا کرتے ہیں جس سے وہ چکر میں پڑ جاوے حیرت کی ایک قسم یہ بھی ہے مولانا نے حیرت کے اقسام بیان فرمائے ہیں کہ ایک تو حیرت محمودہ ہے اور ایک حیرت مذمومہ۔ حیرت مذمومہ وہ ہے جس کا منشا جہل محض کہ اسکو محبوب کا رستہ ہی نہیں ملا بلکہ رستہ سے اُلٹا جا رہا ہے اُسکی حیرت تو حیرت مذمومہ ہے اور ایک حیرت وہ ہے جس کا منشا کثرت علوم ہو کہ محبوب کا پتہ تو لگا لیا ہے رستہ پر چل رہا ہے۔

مگر کسی تجلی کے تواتر سے حیران ہو گیا ہو اسیکو فرماتے ہیں ؎

گہ چنیں بنماید و گہ ضد ایں ۔ جز کہ حیرانی نباشد کار دین ۔

آگے بعض دوسری اقسام کی طرف اشارہ فرماتے ہیں ؎

نے چنیں حیراں کہ پشتش سوئے دوست | بل چنیں حیراں کہ روئش سوئے دوست
آن یکے حیراں کہ روئش سوئے دوست | واں دگر حیراں کہ روئش روئے دوست

خلاصہ مجموعہ اشعار کا یہ کہ جس کے کان میں حق تعالیٰ معما فرماتے ہیں اسکو ایسی حیرت ہو جاتی ہے جیسے کوئی عاشق محبوب کا چہرہ دیکھکر حیران ہو جاتا ہے اور غیر سالک کو یا اس سالک کو جو شریعت کے خلاف سلوک طے کر رہا ہے جو پریشانی پیش آتی ہے وہ حیرت مذمومہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ پشتش سوئے دوست۔ کہ محبوب کی طرف پشت ہونیکی وجہ سے پریشان ہے پس جو سالک شریعت کے موافق چل رہا ہو اسکو کسی حالت سے پریشان نہونا چاہئے عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست | بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

صراط مستقیم سے شریعت مراد ہے اگر سالک کسی معصیت میں مبتلا نہو تو پھر قبض ہو یا بسط ہر حال میں راضی رہے پریشان نہو مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو ۔ | آن صلاح تست آیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو وے بسط بیں | تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

ہاں احتیاطاً کثرت استغفار قبض کی حالت میں کر لینی چاہئے۔ ممکن ہے کہ یہ قبض کسی ظاہری یا باطنی گناہ سے آیا ہو تو استغفار سے اس کا تدارک ہو جاوے گا ؎

ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم | آن زبیباکی و گستاخی ست ہم
غم چو بینی زود استغفار کن ۔ | غم بامر خالق آمد کار کن

مولانا تو محقق ہیں اس لئے ذرا دھیمی دھیمی طرح تسلی فرماتے ہیں مگر جو آزاد ہیں وہ کان کھولکر دو ٹک بات کہتے ہیں چنانچہ سرمد آزاد ان لوگوں کو خطاب کر کے کہتے ہیں جو قبض و بسط کے تعاقب سے پریشان ہوئے اور اپنے لئے ہمیشہ بسط ہی رہنا تجویز کرتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد ✤ یک کار ازین دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

یعنی یہ کیا روز روز کی شکائتیں لئے پھرتے ہو بس سُن لو کہ یہ محبوب تو ایسا ہی ہے جو کبھی تم کو خوش کریگا اور کبھی رلائیگا اب دو باتوں میں سے ایک بات کر دیا تو جان و تن اسپر نثار کر دو اور جس حال میں وہ رکھے اسپر راضی رہو ورنہ پر ایسے محبوب ہی کو چھوڑ دو کیونکہ وہ تمہاری مرضی کا تابع نہوگا اپنی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے اگر اُس کی محبت کا دعویٰ ہے تو بس چپکے چپکے پڑے رہو کان نہ ہلاؤ ورنہ جاؤ اُسکو چھوڑ کر کسی دوسرے محبوب کو تلاش کر لو۔ واقعی سرمد کی کھٹ کھٹ نو ہار کی ایک پورا علاج ان لوگوں کا حضرت سرمدؒ کیا ہی مولانا کے سمجھانے سے تو سیدھی نہوئے تھے اب سب درست ہو گئی بس طالب کا مذاق تو وہ ہونا چاہئے جیسا حضرت سعدی نے ایک بزرگ کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک رات وہ تہجد کے لئے اوٹھے تو ندا آئی کہ تو کچھ بھی کر تا رہ یہاں کچھ قبول نہیں اور ندا بھی اس زور سے آئی کہ اُن بزرگ کے ایک مرید نے بھی سُن لی خیر اُس رات تو نماز پڑھکر لیٹ رہے اگلی رات ہوئی تو پھر وہ اپنا بوریہ بدھنا لیکر اُٹھے۔ مرید نے کہا کہ حضرت ایسی بھی کیا بیخبری ہے کہ وہاں تو کچھ قبول نہیں ہوتا اور آپ پھر پیچھے پڑے ہوئے ہیں شیخ نے جواب دیا کہ برخوردار یہ تو سب کچھ ہے کہ میرا عمل وہاں قبول نہیں مگر تم مجھے یہ بتلا دو کہ پھر اس در کو چھوڑ کر جاؤں کہاں کوئی اور در بھی تو نہیں جہاں چلا جاؤں میں تو اسی در پر پڑا رہونگا قبول یا نا قبول اس سے مجھے کیا بحث ؎

توانی ازان دل بپرداختن۔ کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

اس جواب پر جس میں عبدیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی رحمت کو جوش ہوا اور ندا آئی ؎

قبول است گرچہ ہنر نیستت کہ جز ما پناہے دگر نیستت

کہ جاؤ قبول کر لیا گو ہنر تو کچھ نہ تھا مگر یہ دیکھکر رحم آگیا کہ ہمارے سوا تیری پناہ کسی جگہ نہیں بس عاشق کو تو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ بیچ بیچ بھی رد کر دیں جب بھی لپٹا ہی رہے سعدی فرماتے ہیں ؎

اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامانِ آلِ رسول

پھر کیا ایسے کو قبول نہ کریں گے جو در پر بھی راضی ہو ضرور قبول کریں گے مگر وہ کبھی اپنے عشاق کا امتحان لیا کرتے ہیں کہ دیکھیں اُن کا عشق کس درجہ کا ہے یہ ہمارے رد کرنے پر بھی پٹے رہتے ہیں یا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ امتحان بھی نہ کریں عاشق کو اس چاہنے کا کوئی حق نہیں۔

صاحبو عشاق تو رد کرنے پر بھی نہیں گھبراتے آپ صرف قبض و بسط ہی سے گھبرا گئے تعجب ہے بس اگر طالب ہو تو کام میں لگے رہو اس کی پروا نہ کرو کہ ذکر میں دل لگتا ہے یا نہیں لگتا ہمارے حاجی صاحب سے جو کوئی کہتا کہ حضرت ذکر سے نفع نہیں ہوتا تو آپ جوش کے ساتھ فرماتے کہ کیا یہ نفع کچھ کم ہے کہ تم ذکر تو کرتے ہو پھر فرماتے ؎

یابم اورا یا نہ یابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

غرض سالک کو ہر حال میں راضی رہنا چاہئے (اس موقعہ پر عصر کی اذان ہو گئی تو فرمایا کہ بس اب میں اس بیان کا خلاصہ کر کے ختم ہی کرنے والا ہوں۔

خلاصہ سارے بیان کا یہ ہوا کہ واقعہ معراج سے ہماری دو غلطیوں کا ازالہ ہوا ایک تو یہ کہ ہم لوگ مقامات انبیاء میں کلام کرتے ہیں سو ہم کو ایسا نہ کرنا چاہئے تم کبھی اپنے قیاس سے یہ نہ کہو کہ فلاں نبی کا یہ مقام تھا اور یہ مقام دوسرے نبی کو حاصل نہ تھا تم کو انبیاء کے مقامات کی کیا خبر جو تم یہ فیصلے کرنے چلے ہو اسکی وہی مثال ہے کہ لومڑی شیروں کا فیصلہ کرے اور اسی کا ضمیمہ یہ بھی ہے کہ اولیاء کے مقامات میں بھی گفتگو نہ کرو کیونکہ انبیاء کی طرح اولیاء کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں آجکل لوگ اس مرض میں بہت مبتلا ہیں ایک کہتا ہے کہ میرے پیر کا تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوتا جاڑے ہوں یا گرمی سفر ہو یا حضر ہمیشہ اپنے معمولات کو بخوبی پورا کرتے رہتے ہیں دوسرے کے پیر میں یہ کمال نہیں اُس کے معمولات کبھی ناغہ بھی ہو جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے حضرت کو خدا تعالیٰ کی طرف ایسی توجہ دائم رہتی ہے کہ اس میں کبھی فرق نہیں آتا اُن کو معمولات ظاہری سے معمولات قلبیہ کا زیادہ اہتمام ہے غرض کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے یہ سب خرافات ہے

بس جس سے جسکو نفع ہو رہا ہو اُس سے لگا لپٹا رہے ہمکو تفضیل کے لئے کس نے کہا ہے سالکین کو مقامات اولیاء میں کبھی کلام نہ کرنا چاہئے۔ دوسرا سبق یہ حاصل ہوا کہ سالک اپنے کسی غیر اختیاری حال کو بُرا نہ سمجھے بشرطیکہ شریعت پر مستقیم ہو شریعت پر استقامت کے ساتھ جو حال بھی پیش آئے اُسپر راضی رہے اور سبکو عروج و نزول پر محمول کرتا رہے یعنی کوئی حال عروج ہے کوئی نزول ہے اور دونوں نعمت ہیں بس اب میں ختم کرتا ہوں اور اس وعظ کا نام **الرفع والوضع** تجویز کرتا ہوں کیونکہ اس میں معراج کی حقیقت عروج و نزول ہی بتلائی گئی ہے اور وضع و رفع کے بھی یہی معنی ہیں اس کے بعد دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہمکو فہم سلیم عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دیں آمین والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد خیر خلقہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

نوٹ۔ ممبر سے اُتر کر حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ وعظ جلدی صاف ہو جاوے تو اچھا ہے بحمد اللہ حسب ارشاد آج ۲۴ رجب ۱۳۴۲ھ کو اُسکی تسوید تفصیلی تمام ہوئی اے اللہ اس ناکارہ کو بھی ان برکات سے متمتع فرما جنکا ذکر اس بیان میں ہوا ہے آمین بحرمۃ سید المرسلین و اولیاء امتہ اجمعین ۱۲ جامع۔

فہرست کتب جدید الطبع

کلام الملوک + حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نظم کلام کا مجموعہ جو علاوہ علم ادب میں اعلیٰ درجہ کی کتاب ہونیکے بابرکت بھی ہے۔ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم کے ایماء و حکم سے یہ بیبہا کتاب نہایت جانفشانی اور محنت سے جمع کرایا گیا ہے۔ اور اکثر مدارس میں داخل درس بھی ہو چکا ہے نہایت مفید و کارآمد کتاب ہے۔ حاشیہ پر ترجمہ بھی ہے۔ ۲ سے عہ۔

احیاء السنن حصہ اول + حنفیہ کی مستدل احادیث کا مجموعہ یہ مفید اور کارآمد کتاب عربی میں ہے اور حاشیہ پر اسکا ترجمہ بھی سلیس اور عام فہم بامحاورہ اردو میں درج ہے۔ عہ

اعلاء السنن حصہ دوم عہ

احیاء السنن ۱۴ر

مواعظ جدید الطبع

المشتہر

صوفی عبدالقادر ناظم مواعظ مجلس امداد المواعظ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر